نصیحت

حصّہ اوّل

از

حضرت علامہ سیّد محمد رضی مجتہد

ناشر

ادارۂ نشر علوم دینیہ

Price: PAK. Rs: 36
Price: FORN. $ 8

خُطباتْ

حصّہ اوّل

از

علاّمہ سیّد محمّد رضیؒ مجتہد

ادارۂ نشرِ علومِ دینیّہ

جملہ حقوق بحق ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ محفوظ ہیں

طبع چہارم سنہ ۱۹۸۶ء

تعداد پانچ سو

طابع اچھوتی شادی کارڈ و خطاطی مرکز

ملنے کا پتہ

ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ
سی ۹۶ بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا
کراچی
ٹیلیفون نمبر:- ۶۸۳۰۲۵

فہرستِ مضامین

۱	پیش لفظ	الف	۱۹	درود کیا ہے	۶۹
۲	نماز	۱	۲۰	یتیم کا مرتبہ اسلام کی نظر میں	۷۳
۳	سادگی	۵	۲۱	توحید اور قرآن	۷۷
۴	آپس کا تعاون	۹	۲۲	توحید اور رسالت	۸۱
۵	ماں باپ کا مرتبہ	۱۳	۲۳	وقت کی پابندی	۸۵
۶	کتاب اللہ کی عظمت	۱۷	۲۴	اُحد کی لڑائی	۸۹
۷	چند آیات سورۂ بقرہ (الف)	۲۱	۲۵	فتح خیبر	۹۳
۸	״ ״ ״ ״ (ب)	۲۵	۲۶	جنگ بدر	۹۷
۹	״ ״ ״ ״ (ج)	۲۹	۲۷	خندق کی جنگ	۰۱
۱۰	״ ״ ״ ״ (د)	۳۳	۲۸	مختلف ملکوں کے فرمانرواؤں کے نام اسلام کی دعوت	۱۰۵
۱۱	״ ״ ״ ״ (ھ)	۳۷	۲۹	لیلۃ القدر	۱۰۹
۱۲	زکوٰۃ کے احکام	۴۱	۳۰	رسول اللہ کی مکہ میں تشریف آوری	۱۱۳
۱۳	مؤمن کون ہوتا ہے	۴۵	۳۱	خوف الٰہی	۱۱۷
۱۴	اچھا برتاؤ	۴۹	۳۲	ایثار و قناعت کسے کہتے ہیں	۱۲۱
۱۵	اذا جاء نصر اللہ والفتح	۵۳	۳۳	شکست خوردہ لوگوں کیساتھ کس طرح برتاؤ کیا جائے	۱۲۵
۱۶	ایمان اور کفر میں مصالحت نہیں ہو سکتی	۵۷			
۱۷	سورۃ القریش پر ایک نظر	۶۱	۳۴	چند تحقیقیں	۱۲۹
۱۸	صلح حُدیبیہ	۶۵	۳۵	حج کے موقع پر رسول اللہ کا خطبہ	۱۳۳

۳۶ سرورِ کائنات کا آخری حج ۱۳۷
۳۷ احکامِ حج ۱۴۱
۳۸ آنحضرتؐ کا عزم و استقلال ۱۴۵
۳۹ سورۂ کوثر کی مختصر تفسیر ۱۴۹
۴۰ قول و قرار کی پابندی اور سیرتِ طیبہ ۱۵۳
۴۱ نماز اور باہمی تعاون و ہمدردی ۱۵۷
۴۲ روزہ اور باہمی اخوت ۱۶۱
۴۳ طاعتِ الٰہی ۱۶۵
۴۴ خیر الامم ۱۶۹
۴۵ وفاتِ سرورِ دوعالم ۱۷۳
۴۶ انصاف و عدالت ۱۷۷
۴۷ اخلاقِ حسنہ ۱۸۱
۴۸ آپس کے اختلاف کا نتیجہ ۱۸۵
۴۹ سیرتِ پاک کی پیروی ۱۸۹
۵۰ اسلامی روزے کی اہمیت ۱۹۳
۵۱ ہجرتِ رسولِ اسلام ۱۹۷
۵۲ فیاضی کی تعلیم ۲۰۱
۵۳ سورۃ اللہب کی کچھ تشریح ۲۰۵
۵۴ صفائی اور طہارت ۲۰۹
۵۵ اللہ کی بندگی اور وفاداری ۲۱۳
۵۶ مال و دولت اللہ کی امانت ہے ۲۱۷
۵۷ زکوٰۃ اور امداد باہمی ۲۲۱
۵۸ جہاد ۲۲۵
۵۹ صلۂ رحمی ۲۲۹
۶۰ حسنِ سلوک ۲۳۳
۶۱ اسوۂ رسولؐ کی پیروی کا حکم ۲۳۷
۶۲ حضورؐ اکرم کا استقلال ۲۴۱
۶۳ حضور اکرم کی شانِ رحمت ۲۴۵
۶۴ نماز برائیوں سے روکتی ہے ۲۴۹
۶۵ حلم و بردباری ۲۵۳
۶۶ عفو و درگزر ۲۵۷
۶۷ نیکی کا پھیلانا اور برائیوں سے روکنا ۲۶۱
۶۸ پرہیزگاری ۲۶۵
۶۹ قوم کا نصب العین ۲۶۹
۷۰ سعی و عمل ۲۷۳
۷۱ والدین کے حقوق اولاد پر ۲۷۷
۷۲ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ۲۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ حجۃ الاسلام عماد العلماء علامہ سید محمد رضی الرضوی مجتہد

(ماخوذ از کتب انساب سادات قنوج (زیدیہ)، تاریخ واسطیہ، خلاصۃ الانساب، تاریخ سادات امروہا، نخبۃ التواریخ، الواد قم وغیرہ۔)

۱	حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام
۲	حضرت امام حسینؑ
۳	حضرت امام زین العابدینؑ
۴	حضرت امام محمد باقرؑ
۵	حضرت امام جعفر صادقؑ
۶	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
۷	حضرت امام علیؑ رضاؑ
۸	حضرت امام محمد تقیؑ
۹	حضرت موسیٰ مُبرقع
۱۰	سیّد احمد کلان
۱۱	سیّد محمد اعرج
۱۲	سیّد احمد نقیب
۱۳	سیّد یعقوب
۱۴	سیّد عبد اللہ زر بخش
۱۵	سید زید شہسوار
۱۶	سیّد محمود
۱۷	سیّد ابراہیم
۱۸	سیّد عبد العزیز
۱۹	سیّد زید ثانی
۲۰	سیّد نذر اللہ
۲۱	سیّد داؤد نذر
۲۲	سید سیف الدین اوّل

یہ بزرگ قم (ایران) سے ۵۲۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ زید پور آباد کیا۔

۲۳	سید حسن
۲۴	سید عبد المجید
۲۵	سید سیف الدین ثانی
۲۶	سید علی الدین
۲۷	سید خیر الدین
۲۸	سید داؤد ثانی
۲۹	سیّد محمد
۳۰	سید محمد سعید
۳۱	سیّد اشرف دانشمند
۳۲	سید میراں محمود
۳۳	سید عصمت اللہ
۳۴	سید رحمت اللہ
۳۵	سید تاج محمود
۳۶	سید غلام احمد
۳۷	سید غلام حسن
۳۸	سید علی بخش
۳۹	سید مبارک علی
۴۰	سید اکبر حسین
۴۱	سرکار نجم العلماء سید نجم الحسن
۴۲	سیّد محمد سیّد العلماء
۴۳	عماد العلماء سید محمد رضی

یہ بزرگ زید پور سے ۱۰۵۴ھ میں امروہا ضلع مراد آباد تشریف لائے۔

خطیبِ پاکستان حجۃ الاسلام علامہ سید محمد رضی مجتہد العصر

ہندوستان کے مشہور و معروف علمی مرکز لکھنؤ میں ۱۹۱۳ء ماہ دسمبر مطابق ۱۳۳۲ھ ماہ صفر سرکار محترم حضرت علامہ کی ولادت ہوئی جبکہ آپ کے اجداد کا وطن امروہہ ضلع مراد آباد تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ مبرقع فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ سلسلۂ نسب میں زیادہ تر علماء گزرے ہیں یا ایسے بزرگ جو بلند ترین روحانی ریاضت یا پھر عسکری اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے۔ آپکے والد حضرت حجۃ الاسلام سید العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد تھے جن کا انتقال عنفوانِ شباب میں ہوا اور اُس وقت علامہ کی عمر پانچ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپکے دادا حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار صدر الشریعۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد تھے جن کا نام اسلامی دنیا میں سورج کی طرح روشن ہے۔ علامہ کی دادی مرحومہ کے والد سرکار حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العظمیٰ مفتی سید محمد عباس موسوی شوستری مفتی اعظم سلطنت اودھ تھے۔ نیز علامہ کے نانا برِ صغیر کے عظیم ترین مجتہد سرکار آیۃ اللہ

العظمیٰ حجۃ الاسلام جناب سید مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ امام جمعہ جامع مسجد آصفی لکھنؤ تھے جو حضرت غفرآنماب علیہ الرحمۃ کے پرپوتے تھے۔ علامہ سید محمد رضی مجتہد کے والد ماجد تقوی سادات میں سے تھے، والدہ نقوی اور دادی موسوی تھیں۔ علامہ نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ کے مشہور مرکزِ علم ناظمیہ عربی کالج میں حاصل کی اور انیس ۱۹ سال کی عمر میں آپکو کالج کی آخری سند ممتاز الافاضل نمایاں نمبروں سے ملی۔ علامہ نے ۱۹۳۹ء سے قبل دس سال تک ناظمیہ عربی کالج میں بحیثیت وائس پرنسپل اور کبھی پرنسپل کی حیثیت سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے "حقوق نسواں اور اسلام" نیز "اسلامی مساوات" دو کتابیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی اہم جگہ ایسی نہ تھی جہاں آپ کو دعوتِ تقریر نہ دی گئی ہو اور آپ کی معرکہ آرا تقریروں سے لوگ فیضیاب نہ ہوئے ہوں۔ رنگون (برما) سے لے کر ڈیرہ اسمٰعیل خان تک آپ کی تحریر و تقریر کا شہرہ تھا اور باوجود کم سنی کے آپ اسی وقت سے صفِ اوّل کے خطیب شمار کیئے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں حیدرآباد (دکن) بھی تشریف لے گئے اور اعلیحضرت نظام طاب ثراہ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ حیدرآباد (دکن) کا پہلا سفر مجالس محرم کے سلسلہ میں ہوا تھا اور آخری مجلس کو سننے کے لیئے نظامِ دکن خاص

طور پر تشریف لائے تھے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک مجلس میں شریک رہے، اور بار بار بلند آواز اور انتہائی والہانہ انداز میں علامہ کے زورِ بیان کی تعریف کرتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ وہ تقریر کو جلد ختم نہ کریں پھر حیدر آباد کے ایک مشہور سرکاری اخبار میں علامہ کے متعلق اپنے تعریفی الفاظ بھی شائع کرائے۔ اسی زمانہ میں علامہ نے لکھنؤ میں استاذ الکل فی الکل اعلم العلماء سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ الاسلام مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد اعظم سے درس اجتہاد حاصل کرنا شروع کیا۔ آقائے مرحوم خاندانِ اجتہاد کے عظیم ترین علماء میں سے تھے جنہوں نے اٹھارہ سال تک نجف اشرف (عراق) میں علماء و فقہاء کو درسِ اجتہاد دیا تھا اور اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ تھے سرکار مرحوم سے علامہ سید محمد رضی نے درس اجتہاد کی تکمیل کی جس کے بعد آقائے مرحوم نے بطور امتحان علامہ کو ایک مشکل شرعی مسئلہ کی تحقیق کی طرف دعوت دی اور اس علمی کاوش کے لیے تین ماہ کا وقت معین فرمایا مگر قابل و لائق شاگرد نے استادِ محترم کے اس حکم کی تعمیل صرف سات روز میں کردی جس پر خوش ہو کر سرکار مرحوم نے علامہ کو خصوصی اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا اور "عماد العلماء" کا خطاب دیا۔ اس مجتہدانہ معیاری رسالہ کا نام "نجوم الافکار" ہے جو عربی زبان میں ہے اور اہل علم کے لیئے ایک نادر تحفہ ہے۔ اس عربی اور فقہی شاہکار کا دوسرا ایڈیشن شائع کردیا گیا ہے جو اس ادارہ کے دفتر سے

حاصل کیا جا سکتا ہے۔ علّامہ سید محمد رضی مدظلہٗ تفسیر، فقہہ، کلام، فلسفہ و منطق ہیئت اور دیگر اسلامی علوم کی مثالی مہارت کے ساتھ ہی ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ کسی موقع پر ارکان ادارہ موصوف کے مختصر مگر بیش بہا دیوان کو بھی شایع کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ علّامہ کی نثر نگاری اور زور تحریر اُن کی تقریروں اور خطابت ہی کیطرح اپنی آپ ہی مثال ہے جس کا اندازہ اُن کے مقالات اور مضامین سے ہر صاحب بصیرت آسانی سے لگا سکتا ہے۔ اس علمی بلندی کے ساتھ ہی اپنے آباؤ اجداد کی طرح علّامہ کو روحانی ریاضت سے ہمیشہ زبردست لگاؤ رہا ہے اور اسی لیے انھوں نے علم جفر اور اسکی شاخوں کا بڑی عرق ریزی سے برسوں مطالعہ کیا ہے اور اپنی عمر کا ایک قیمتی حصّہ ریاضت ہی میں گذار دیا اور آج پاک و ہند کے علاوہ دنیا کے دوسرے حصوں کے لوگ بھی آپکے روحانی کمال سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

علّامہ ابتدا ہی سے اتحاد اسلامی کے زبردست حامی رہے ہیں چنانچہ لکھنؤ میں آپ "مرکز تبلیغ اسلام" اور "مرکز اتحاد اسلام" جیسی مشہور تنظیموں کے صدر رہتے اور اسی سلسلہ میں موصوف نے ۱۹۴۶ء میں ایک پبلک الیوننگ پرائمری اسکول بھی قائم کیا تھا جس کی ابتداء صرف دس آنہ کی چٹائی پر علّامہ کے مسکونہ مکان کی ایک دوکان میں ہوئی تھی اور کچھ ہی روز میں وہ ترقی کر کے جونیر ہائی اسکول بن گیا تھا اس اسکول میں ہر فرقہ کے مسلمان بچے شام سے رات تک تعلیم پاتے تھے خصوصاً مزدور بچے جو دن بھر مزدوری کرتے تھے اور شام کو اپنے کاموں سے فارغ

ہوکر رؤسا کے بچوں کیساتھ مل کر بیٹھتے تھے اور تعلیم سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ اس اسکول میں اچھوت لڑکوں کو بھی تعلیم کی پوری سہولت دیجاتی تھی۔ اور اُنکے ساتھ اُسی مساوات کا برتاؤ کیا جاتا تھا جسکی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ اپنی نوعیت کے اس انوکھے اسکول کو ملک کے ہر طبقہ میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ اُسکے قیام پر علّامہ کو متحدہ ہندوستان کے تمام والیان ریاست، علماء، سیاسی زعماء اور انگریز گورنروں نے مبارکباد کے پیغام بھیجے تھے جن کی اصلیں اس وقت بھی ادارہ کے دفتر میں موجود ہیں علّامہ کی تاریخی شخصیّت کے تفصیلی حالات لکھنے کا اس کتاب میں موقع نہیں ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جلد از جلد علامۂ ممدوح کے حالاتِ زندگی پر ایک مستقل کتاب سوانح عمری کے عنوان پر اپنے اس ادارہ کی طرف سے شایع کرینگے تاکہ لوگوں کو موصوف کی زندگی کا پس منظر زیادہ وضاحت کیساتھ معلوم ہوسکے۔

سنہ ۱۹۳۹ء میں علّامہ نجف اشرف (عراق) مزید تکمیل علم کیلئے گئے جہاں آپکا قیام تقریباً دو سال رہا۔ آپکے اساتذہ میں ایک عظیم شخصیّت آقائے آیۃ اللہ العظمیٰ میرزا حسین نجنور دوی کی ہے جنھوں نے سرکار نجم العلماء کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نجف میں چالیس سال سے درس اجتہاد دے رہا ہوں مگر میں نے ایسا لائق و فائق طالب علم آج تک نہ ایرانیوں میں دیکھا ہے اور نہ ہندوستانیوں میں۔ نجف اشرف میں آپکے اساتذہ میں مراجع تقلید اور حجج اسلام آقائے السیّد ابوالحسن الاصفہانی، آقا ضیاء الدین

العراقی، آقائے عبدالحسین رشتی بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور ان سب علماء نے علامہ کو بہترین اجازہ ہائے اجتہاد عطا کئے ہیں جنکے فوٹو "نجوم الافکار" کے ساتھ شائع کر دئے گئے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں علامہ پاکستان تشریف لائے۔ پھر مشرقی افریقہ اور جزیرہ مڈگاسکر کا سفر کیا جہاں شاہانہ طریقہ پر ہر جگہ آپکا استقبال کیا گیا اور آپکی اپیل پر ایل مڈگاسکر نے ایک لاکھ روپے کے قریب فنڈ جمع کیا جو حکومت فرانس کی خصوصی اجازت سے کراچی منتقل ہوا اور آپ نے اس رقم سے حسینی ہائی اسکول برائے طلبہ اور برائے طالبات علیحدہ علیحدہ قائم کیے جو آج تک قائم ہیں کراچی میں علامہ عرصہ تک جمعیتہ العربیہ پاکستان کے جنرل سکریٹری رہے جبکہ جناب زاہد حسین مرحوم گورنر اسٹیٹ بنک اسکے صدر تھے۔ اس جمعیت کی ورکنگ کمیٹی میں تمام ممالک اسلامیہ کے سفراء بحیثیت ممبر شامل تھے۔ کراچی میں آپ نے مشہور عرب سفیروں کو اردو زبان کی تعلیم بھی دی چنانچہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم سفیر مصر اور جناب عمر بہاء الامیری سابق سفیر شام وغیرہ آپکے شاگرد تھے سابق سر آغا خان بھی اس جمعیتہ العربیہ کے خاص ممبروں میں سے تھے۔ علامہ نے انگریزی زبان کی تحصیل میں بھی کافی وقت صرف کیا اور ۱۹۵۷ء میں پٹ مین کالج لندن سے فرسٹ کلاس ڈپلوما حاصل کیا موصوف نے کبھی سیاسی دوڑ دھوپ میں حصہ نہیں لیا اور ہمیشہ ٹھوس علمی اور دینی خدمات کیلئے اپنی ذات کو وقف رکھا۔ علامہ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں قرآنی سال ادارہ نشر علوم دینیہ نے موصوف کی تصانیف میں سے "خطبات" "نجوم الافکار" اور "اسلام کا فکری نظام" شائع کیا اور اب خطبات کی پانچ مجلدات کا جدید ایڈیشن آگیا ہے۔ "درس قرآن حکیم" کی بھی اشاعت

کی جاچکی ہے اور اب "شہادت کبریٰ" کے حصہ اوّل کے جدید ایڈیشن کی اشاعت بھی ہونے والی ہے اور اسکے بعد دوسری جلد کی پھر اسکے بعد تاریخ ابنیاء، فلسفۂ نفس و روح اور تاریخ آباء رسول" وغیرہ بھی انشاء اللہ مستقبل قریب ہی میں شائع کی جائیں گی۔ بشرطیکہ قوم کا علم دوست طبقہ ادارہ کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ ان تمام علمی قابل قدر خدمات کے ساتھ ہی علامہ نے اپنے ریڈیو پاکستان اور ٹیلیویژن پر سیکڑوں تقریریں نشر کی ہیں جن سے پورے کرۂ زمین کے کروڑوں تشنگان علم سیراب ہوتے رہے ہیں اور جن کی افادیت اور مقبولیت کا سکہ پوری دنیا میں جم چکا ہے۔ حضرت علامہ کی شادی برصغیر کے عظیم ترین خطیب و مجتہد حجۃ الاسلام عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ امام جمعہ مسجد آصفی لکھنؤ کی بڑی صاحبزادی کیساتھ ہوئی جن سے اس وقت علامہ کی پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے موجود ہیں۔ حضرت عمدۃ العلماء علاوہ اس رشتہ کے علامہ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

سرکار نجم العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ نے علامہ سید محمد رضی کو اپنی ایک خصوصی وصیت کے ذریعہ بحیثیت مجتہد اپنا شرعی وصی و جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ اس وصیت نامہ کا فوٹو بھی نجوم الافکار کے دیباچہ میں شائع کر دیا گیا ہے۔ آخر میں ہم شیعہ امامیہ اسمعیلیہ فیڈرل کونسل برائے پاکستان، کراچی کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتے ہیں جسکے محترم ارکان نے اس نشر و اشاعت کی مہم میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا، خدا انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

(ادارہ)

ب
۷۸۶

پیش لفظ

انسان کا سب سے بڑا امتیاز علم ہے مگر وہ علم جو اس کو زندگی کے اعلیٰ معیار تک پہنچا دے جو اُسے اچھے کردار کی تخلیق اور تعمیر میں مدد دے، علم سے بڑی کوئی دولت اور طاقت نہیں، علم سے اونچی کوئی بلندی اور عزت نہیں لیکن شرط یہی ہے کہ وہ صحیح اور جائز وسائل سے طلب کیا جائے اور معتدل تعمیری اغراض کے لیے صرف ہو۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مُسلّم ہے کہ ہمارے لیے علمِ دین سے بہتر کوئی دوسرا علم نہیں ہو سکتا جس سے ہماری دنیا بھی سنورتی ہو اور آخرت بھی کامیاب ہو سکتی ہو۔ اسی سلسلہ میں "ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ کراچی" نے ابتدائی مدارس کے طلبہ اور عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے خطیب پاکستان علاّمہ سید محمد رضی صاحب قبلہ مجتہد کی نشری تقریروں کے پہلے حصّہ کا تیسرا ایڈیشن بشکریہ ریڈیو پاکستان کراچی شائع کیا ہے۔

ان تقریروں میں علاّمہ موصوف نے زبان کو زیادہ عام فہم اور سہل و آسان رکھنے میں ابتدائی طلبہ کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے تاکہ اِن مضامین کی افادی حیثیت وسیع تر ہو سکے۔

ہمیں کامل توقع ہے کہ اس مجموعہ کے مطالعہ سے دینی مسائل اور ابتدائی اسلامی تاریخ پر طلبہ اور دیگر قارئین کرام کو کافی مدد مِل سکے گی۔

اس خدمت کے ساتھ ہی ہم اب علامہ موصوف کی نشری عالمی تقریروں کے چار مزید مجموعے شائع کر رہے ہیں جن کا معیار نسبتہً زیادہ تعلیم یافتہ حضرات کی علمی سطح کے مطابق ہے - ان پانچ مجموعوں میں علامہ کی کئی سو نشری تقریریں شامل ہیں جو ریڈیو پاکستان کے قومی اور مقامی نشری رابطے پر عوام کے سامنے آچکی ہیں - انکے علاوہ علامہ کی اور بھی بہت تقریریں باقی ہیں جو پھر کبھی شائع کی جائینگی -

اس مجموعہ کے پہلے ایڈیشنوں کی بہ نسبت اس مرتبہ مضامین اور صفحات میں کافی اضافہ کیا گیا ہے - اس کے علاوہ کتابت و طباعت آفسٹ پر ہے جو لیتھو کے مقابلہ میں بہت زیادہ گراں ہے - اس صورتِ حال کے پیش نظر کتاب کی قیمت میں اضافہ کرنا ناگزیر تھا - بہر حال اس علمی قافلہ کو آگے بڑھانے میں فکر و تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے تمام حضرات اور خاص طور پر طلبہ و طالبات سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اپنے بھرپور اشتراکِ عمل سے ہمیں دلی شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں -

خادم علم و اسلام

سید شمیم عباس رضوی آل نجم العلماءؒ

معتمد عمومی برائے

ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ

سی ۹۶ بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

فون : ۶۸۲۳۰۲۵

شہادت کبریٰ

حصّہ اول

مؤلفہ

حضرت علامہ سید محمد رضی مجتہد

سائز ۲۰×۲۶ آفسٹ، بہترین طباعت
اعلیٰ کاغذ، صفحات ۴۶۴

ولادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے کربلا
پہنچنے تک کے واقعات اور حالات کا بہترین مجموعہ
جغرافیہ کربلا کا خصوصی رنگین نقشہ کتاب میں شامل ہے
جلد آرڈر بھیجئے

ملنے کا پتہ

سی ۹۶ - بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا، کراچی

ٹیلیفون نمبر:- ۶۸۳۰۲۵

درس قرآن حکیم

حصّہ اوّل و حصّہ دوم

از حضرت علامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

ایک ہزار صفحات پر مشتمل ۔ چھپائی آفسٹ ۔ کاغذ اعلےٰ

ریڈیو پاکستان سے نشر شدہ تقریباً پونے تین سو درسوں کا مجموعہ جسمیں فلسفہ و حکمت اور تفسیر و فقہ نیز تاریخ کی مفید بحثیں شامل ہیں یہ دونوں حصے علمی معلومات کا عظیم ذخیرہ ہیں۔

ملنے کا پتہ

سی ۹۶، بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا ۔ کراچی

فون نمبر:۔ ۶۸۳۰۲۵

۷۸۶

نماز

ہر مسلمان بالغ پر چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، بوڑھا ہو، جوان ہو، بیمار ہو یا تندرست ہو نماز پڑھنا فرض ہے اور جب تک اس میں ہوش و حواس باقی ہیں یہ کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتی۔ یعنی کسی نہ کسی صورت سے ہر حالت میں اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا ہے اور وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کو بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے۔ یہ بھی نہیں ممکن ہے تو لیٹے لیٹے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اشاروں سے نماز ادا کی جائے۔ غرض کسی حالت میں بھی اس کی اجازت نہیں کہ نماز کو ترک کیا جا سکے۔

اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں ایمان لانے کے بعد جو عمل سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہ یہی نماز ہے اس کی اہمیت اس آیت سے صاف ظاہر ہوتی ہے

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (روم/۴) نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اس ارشاد خداوندی سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کی اللہ کے نزدیک کتنی اہمیت ہے کہ اس نے ہمیں اس کے پڑھنے کا خاص طور پر حکم دیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نماز نہ پڑھنے سے کفر اور شرک میں مبتلا ہو جانے کا ڈر بھی پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ نماز ہمیں اللہ کی طرف سے غافل نہیں ہونے دیتی اور جب کبھی ہم اس کی بارگاہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں ہمارا اعتقاد اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے لیکن اگر نماز کو چھوڑ دیں گے تو پھر رفتہ رفتہ اللہ کی عظمت اور بزرگی کا خیال بھی ہمارے دل سے نکل جائے گا اور پھر یہی چیز کفر اور شرک کی بنیاد بن جائے گی اسی بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیشہ نماز پر زور دیا اور اس کے پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ" نماز دین کا ستون ہے"، یعنی جس طرح ستون گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے اسی طرح نماز کو چھوڑ دینے سے ایمان اور تقویٰ بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

ہم تھوڑی دیر کے لیے اس پر بھی غور کریں کہ نماز پڑھنے سے ہم کو معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نماز ہماری تمدنی اور اخلاقی اصلاح کا بھی بہت

بڑا ذریعہ ہے۔ سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انسانی معاشرے کی عجب قدر اصلاح فرمائی اور اس کے لیے جو کوششیں کیں ان کا بڑا حصہ نماز ہی کی وجہ سے حاصل ہوا مثال کے طور پر نماز کی عادت سے انسان کی پاکیزگی اور صاف ستھرا رہنے کی صفت کو کس قدر قوت حاصل ہوتی ہے اور جب وہ صاف ستھرا رہے گا اُس کے کپڑے پاک رہیں گے، اُس کا سارا ماحول گندگیوں سے دور رہے گا تو لازمی طور پر اس کی صحّت بھی بہتر ہو جائیگی اسی طرح نماز پڑھنے کے لیۓ وقت کی پابندی کا خیال رکھے گا اور اس طرح اس کی زندگی کے اندر نظم وضبط پیدا ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ ایک مسلمان جو نماز پڑھتا ہے جب کبھی غلطی سے اس کا قدم کچھ بہک جاتا ہے اور وہ گناہ کرتا ہے تو اس کو فوراً ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اسے پھر نماز پڑھنا ہوگی اور پھر خدا کے سامنے حاضری دینا ہوگی یہ سوچتے ہی خود اس کا ضمیر ہی اسے بُرا کہنے لگتا ہے۔ غرض اس کے احساس وشعور میں ایک بیداری سی پیدا ہو جاتی ہے اور برائیوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

بے شک نماز عقل وشعور، احساس کی بیداری، اللہ کی مخلوق اور اس کی آیتوں اور قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا

اللہ کی تسبیح وتہلیل کرنا اور اپنے لیئے اپنے ماں باپ کے لیئے اور سارے مسلمانوں کے لیئے دعائے مغفرت کا نام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام باتیں جو انسان کی عقل اور اس کے شعور کو کھودیں اور اللہ کی طرف سے اور اس کی یاد کی طرف سے انسان کے دھیان کو ہٹا دیں یا اس کے اندر کمی پیدا کر دیں وہ سب نماز کی حقیقت اور اس کے مقصد کے خلاف ہیں۔

غرض نماز پڑھنا مسلمانوں کو اصول اور وقت کی پابندی سکھاتا ہے۔ پاک اور صاف رہنا بتاتا ہے۔ ضبط و نظم قائم رکھنے کا سبق دیتا ہے۔ اچھائیوں کی طرف رغبت اور برے کاموں سے نفرت کی تعلیم دیتا ہے۔ خصوصاً جماعت کی نماز آپس کے تعلقات میں بہتر سے بہتر اصلاح کا موقع دیتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور باہمی محبت و ہمدردی کا جذبہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرتا ہے۔ اللہ ہم سب کو نماز پڑھنے کی توفیق سے کبھی محروم نہ فرمائے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۸۶

سادگی

اگر ہم اس کو پوری طرح سمجھ لیں کہ "سادگی" کیا ہے اور اس کے فائدے کتنے ہیں تو ہم ہمیشہ سادگی ہی کو پسند کریں گے اور کبھی نمائش کی باتوں کو اور ظاہری شان وشوکت اور دکھاوے کی چیزوں کو پسند نہ کریں گے۔ یہاں پر ایک بات یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی سادگی کا بھی لوگ غلط استعمال کرنے لگتے ہیں اور اس لیئے سادہ زندگی اختیار کرتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں اور ہر طرف خوب ان کا نام ہو تو یہ سادگی خود ایک طرح کی نمائش ہو جاتی ہے اور یہ وہ سادگی نہیں ہے جس کا اسلام نے سبق دیا ہے اور حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

آپکے اہل بیت اطہار و اصحابؓ کرام نے اپنے عمل سے جس کی تعلیم دی ہے۔

اسلام نے جو سادگی ہمیں سکھائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسی زندگی اختیار کریں جس میں بناوٹ تکلفات اور نمائش یا دکھاوا نہ ہو۔ ایک سیدھے سادے آدمی کی طرح رہا جائے اور بلا وجہ کی شان اور نمود یا زیبائش میں اپنا قیمتی وقت اور مال و دولت برباد نہ کریں۔ یہ ضرور ہے کہ حالات اور حیثیتوں کے لحاظ سے ہمیں سادگی کا معیار ہر جگہ اور ہر شخص کے لیئے ایک ہی نہیں رکھنا پڑے گا مگر جو اصلی غرض ہے سادہ زندگی اختیار کرنے کی وہ ہر ایک شخص کے لیئے ایک ہی ہوگی یعنی وہ اپنے رہن سہن اور پہننے اوڑھنے میں یا دوسری باتوں میں خودنمائی اور دکھاوے کا پہلو نہ آنے دے۔

ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال خود ہمارے نبی کریمؐ کی ہے۔ جن کو اللہ نے ہر طرح کا اقتدار عطا فرمایا تھا۔ مگر آپ نے کبھی دکھاوے اور خودنمائی کی باتوں کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ کے کھانے میں جو بھی سامنے لایا جاتا اس کو نوش فرما لیتے تھے اسی طرح لباس میں بھی معمولی قسم کے کپڑے پہنتے تھے آرائش کے سامان سے آپ کو بڑی نفرت تھی، زمین پر، چٹائی پر اور فرش پر

جہاں جگہ ملتی تھی بیٹھ جاتے تھے۔

اس گفتگو میں اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اسلام ترک دنیا یعنی دنیا کو بالکل چھوڑ دینے کا حامی نہیں ہے بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ دنیا کی چیزیں بس اتنی ہی حاصل کریں جتنی اُن کو ضرورت ہو۔ فضول خرچی اور عیش پرستی اختیار نہ کریں کیونکہ یہ عادت خود اُن کو تباہ کر دے گی اور جس معاشرے میں وہ زندگی گذارتے ہیں اس کو بھی نقصان پہنچائے گی۔

مثال کے طور پر ہم لڑکیوں کے جہیز کے مسئلے کو دیکھیں خود ہمارے رسولِ کریم نے بھی اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کو جہیز دیا تھا مگر وہ کیا تھا - ایک قمیص - ایک چمڑے کی مشک - ہاتھ سے آٹا پیسنے کی ایک چکی - زمین پر بچھانے کا ایک چمڑے کا فرش اور اسی طرح کی چند معمولی چیزیں - یہ تھا شیرِ خداؑ کی زوجہ اور تاجدارِ انبیاؐ کی بیٹی کا جہیز لیکن ہمارا عمل کیا ہے ؟ اور کس طرح ہم جہیز کے نام پر فضول خرچیاں کرتے ہیں اور اس پیسے سے جو فضول باتوں پر برباد ہوتا ہے ہم اپنی اولاد کے لیئے کوئی مفید تعمیری کام ایسا نہیں کرتے جس سے ان کی زندگی سنور سکے - یہ سب کچھ اکثر و بیشتر ذاتی نمائش اور نام و نمود کے لیئے کیا جاتا ہے اور جس کے

پاس اس نمائش کے لئے سامان جمع نہیں ہوتا تو وہ لڑکیوں کو برسوں گھر بٹھا رکھتا ہے اور انھیں اپنے گھر کا نہیں ہونے دیتا۔ یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ جہیز کی نمائش پر اس ملک میں پابندی لگ گئی ہے ورنہ جن غریبوں کے پاس کوئی سامان نہ تھا اور وہ مجبور تھے ان کے دلوں کو اس نمائش اور دکھاوے سے کتنی سخت تکلیف ہوتی ہوگی غرض ایسی ہی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جن میں ہم سادگی اختیار کرکے خود اپنی ذات کو اور پورے معاشرے کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

———— ⁂ ————

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۷۸۶

آپس کا تعاون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاھُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (سُورۃُ الماعون)

یہ سورہ بھی اکثر مفسروں کے نزدیک مکہ ہی میں نازل ہوا تھا۔ اس کی سات آیتیں ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ اے رسولؐ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو (قیامت کے دن کی) جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ

پس یہ شخص تو وہی ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے۔ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور محتاج کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو) رغبت نہیں دلاتا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ تو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں وہ ایسے ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں یعنی عبادت کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ اور معمولی چیزوں کو بھی کسی کو مانگے نہیں دیتے ۔ رَءَيْتَ رُؤْيَت سے بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں دیکھنا رَءَيْتَ کا مطلب ہے "تم نے دیکھا" اور جب یہ کہا جائے اَرَءَيْتَ تو اس کے معنی ہو جاتے ہیں "کیا تم نے دیکھا"؟ اب ایسے موقع پر دو قسم کے معنی ہوا کرتے ہیں کبھی تو پوچھنے والا واقعی سوال کرتا ہے تاکہ جو بات اس کو معلوم نہیں وہ معلوم ہو جائے اور کبھی صرف تعجب اور حیرت کو ظاہر کرنے کے لیے اس طرح سوال کیا جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہے اور خطاب اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے یعنی اللہ تعجب سے فرماتا ہے کہ اے رسول ایسے لوگ بھی ہیں جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں نماز سے غفلت برتتے ہیں اور یتیموں کے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں۔

اَلدِّیْن کے معنی یہاں انصاف اور جزا کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اعمال کی جزا اور سزا کا انکار کرتے ہیں جیسے اللہ نے مقرر فرمایا ہے یعنی وہ قیامت پر عقیدہ نہیں رکھتے۔

لَا یَحُضُّ وہ لوگوں کو رغبت نہیں دلاتا اور نہیں ابھارتا۔

وَیْلٌ تباہی، بربادی، افسوس۔

سَاھُوْنَ سہو سے بنا ہے۔ بھول جانے کو کہتے ہیں۔ "یہ ساہی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بھول جانے والا۔

مَاعُوْنَ عام ضرورت کی چیزوں کو کہا جاتا ہے جو معمولی قیمت کی ہوتی ہیں اور ہر گھر میں عام طریقے پر استعمال کی جاتی ہیں بعض لوگوں نے اس کے معنی زکوٰۃ کے بتائے ہیں۔

غرض اس سورہ میں ایسے شخص سے اللہ نے اپنی نفرت ظاہر فرمائی ہے جو قیامت کے آنے کا انکار کرتا ہو جو یتیموں کو ذلیل سمجھتا ہو اور اُن کا حق نہ ادا کرتا ہو۔ فقیروں اور محتاجوں کو نہ خود کھلاتا ہو اور نہ دوسروں کو ان کی مدد کی طرف ابھارتا ہو اسی طرح ان لوگوں سے بھی خدا نے اپنی نفرت ظاہر کی ہے جو نماز کی طرف سے غفلت اور سستی کرتے ہیں اور ایسے لوگ جو ایک نماز

ہی کیا بلکہ سارے ہی کاموں میں دکھاوا کرتے ہیں یعنی بجائے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے صرف لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیئے کرتے ہیں اور ایسے کنجوس اور بخیل ہیں کہ دوسرے ضرورتمند لوگوں کو اپنی معمولی قیمت کی اور روز کی استعمال کی چیزوں کو عاریت کے طور پر مانگنے پر بھی نہیں دیتے کہ ان بیچاروں کی وقتی ضرورت پوری ہو جائے اور ان کی چیزیں بھی واپس آجائیں روزمرہ کی معمولی استعمال کی چیزیں جیسے سوئی۔ تاگا، گھریلو برتن وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ وہ نہ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ انسانوں کے حق کو ادا کرتے ہیں بلکہ صرف اپنے مطلب کے دوست ہیں ایسے لوگ خدا کی نظر میں انتہائی نفرت کے لائق ہیں۔

ہم اگر سچے مسلمان ہیں تو ہمیں پوری کوشش کرنا چاہیئے کہ ہم میں یہ بری باتیں نہ پائی جائیں تاکہ ہم خدا کی بارگاہ میں عزت اور انعام کے مستحق بن سکیں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

ماں باپ کا مرتبہ

ماں باپ کا مرتبہ اولاد کے لیئے قرآن کریم کی نظر میں یہ ہے جیسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۲۳/۲۴)

اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو اگر ان میں ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو اس وقت بھی اتنا ادب کرو کہ اُن کے جواب میں اُف تک نہ کرنا اور انھیں نہ جھڑکنا اور جو کچھ کہنا ہو تو بہت ادب سے کہا کرو۔ اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور ان کے حق میں دعا کرنا۔ کہ اے میرے پالنے والے جس طرح ان دونوں نے میرے بچپنے میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (بنی اسرائیل ۲۵)

تمہارے دل کی بات تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اگر تم واقعی نیک ہو اور غلطی سے کوئی بات فروگذاشت ہو گئی ہو اور پھر نادم ہو کر معذرت کر لو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت (آیۃ ۸) میں یہ الفاظ ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔

آدمی کی ابتدائی زندگی اس کی بے بسی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو بڑھاپے میں ممکن ہے پیدائش کے بعد انسان کو عرصہ دراز تک اس کا ہوش بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیونکر زندگی بسر کرے اسکی پوری زندگی ماں باپ ہی کے دم پر منحصر رہتی ہے نہ وہ اپنے لئے غذا حاصل کر سکتا ہے نہ اُسکو اپنے اچھے بُرے کی تمیز ہوتی ہے اور نہ کسی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت۔ نہ دن کا ہوش، نہ رات کی خبر۔ زبان ہے مگر بول نہیں سکتا۔ اپنے اور پرائے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ غرض عجب بے بسی کا عالم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جب انسان اپنی ابتدائی زندگی میں اس قدر بے بس اور لاچار ہوتا

ہے ماں باپ کے سوا کون ہے جو اُس کی خبر گیری کرے۔ کون ہے جو اسکی
حفاظت کرے اور خطروں سے بچائے۔ منٹ منٹ میں اسکی دیکھ بھال کرے
یہ فطری محبت والدین ہی کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جان سے
بے پرواہ ہوکر اور ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی برداشت کرکے بچے کی حفاظت
اور خدمت کرتے ہیں اور اُسکی ضدیں اٹھاتے ہیں اور اسکی تمام ضروریات
کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ فطرت کی پہلی آغوش تو ماں کا شکم ہے۔ پھر دوسری
منزل ماں کی گود ہوتی ہے جس میں زندگی کے دبلے ہوئے نقوش اُبھرتے
ہیں اور سفر زندگی کی راہیں معین ہوتی ہیں یہ ابتدائی دور بڑا امتحانی اور
کٹھن ہوتا ہے۔ مگر اولاد کے لئے کم اور ماں باپ کیلئے زیادہ۔ اس دور میں
والدین کو جو مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں الغیض صرف اُن ہی کا دل جانتا ہے
الغرض دور زندگانی کا ایک ایک لمحہ انسانی حیات اور انسانی کردار کے لیے بے حد
اہمیت رکھتا ہے اگر ان قیمتی لمحوں میں ماں باپ کی سرپرستی موجود نہ ہو تو انسان
زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ کسی قسم کی ترقی حاصل کرسکتا ہے اس لئے ہماری جو
کچھ زندگی ہے اس پر سب سے بڑا احسان والدین کا ہے جو خدا اور اس کے مرسلین علیہم السلام
و اولیائے کے بعد سب سے بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور انکے ہر حکم کے سامنے جو احکام
خدا اور رسولؐ کے خلاف نہ ہو سرِ تسلیم جھکا دینا ہر شخص کا فرض ہے سرورِ
دو عالم کی حدیث ہے رِضَا الرَّبِّ فِیْ رِضَا الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُہٗ فِیْ

سخطہما ماں باپ کی خوشنودی خدا کی رضامندی ہے اور ان کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے پھر دوسری حدیث میں فرمایا ہے اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں تم کو گناہ کبیرہ میں سے ایسے گناہوں کی خبر دیتا ہوں جو سب سے بڑے **گناہ** ہیں کہ اللہ کا کسی کو شریک قرار دیا جائے یا والدین کی نافرمانی اور ان کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے پھر ایک اور حدیث میں سرور انبیاء فرماتے ہیں :-

کُلُّ الذُّنُوْبِ یُؤَخِّرُ اللّٰہُ مَا شَآءَ مِنْہَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُہٗ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا قَبْلَ الْمَمَاتِ :-

یعنی خدا جن گناہوں کو چاہے گا ان پر سزا دینے کو قیامت تک ملتوی فرمائیگا مگر والدین کی نافرمانی کا گناہ اس قدر شدید ہے کہ اس کی سزا انسان کو مرنے سے پہلے ہی دیدی جاتی ہے اور اس کی سزا کو قیامت تک ملتوی نہیں کیا جاتا۔

خدا ہم سب کو توفیق دے کہ ہم انسانی معاشرت کے بنیادی محسنوں یعنی والدین کی عزت کریں اور ان کی بے مثال خدمتوں کی اہمیت اور عظمت کا احساس کریں اور ان کی عدول حکمی اور نافرمانی کا ارتکاب نہ کریں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے۔

۴۸۶

کتاب اللہ کی عظمت

کون مسلمان ہوگا جو قرآنِ کریم کی بڑائی اور اہمیت سے باخبر نہ ہو۔ ہم میں سے ہر بچہ اور بڑا جانتا ہے کہ قرآنِ کریم اللہ کی پاک کتاب کا نام ہے جو اُس نے اپنے رسول حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔

قرآنِ کریم رسول اللہؐ پر ایک ہی دفعہ سب کا سب نہیں اتارا گیا بلکہ آنحضرتؐ کی بعثت سے لے کر وفات تک یعنی تقریباً تیئیس ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ کبھی کوئی آیت یا کچھ آیتیں اتریں تو کبھی کوئی سورہ نازل ہوا جیسے

جیسے حالات مسلمانوں کو پیش آتے رہے اُن ہی کے مطابق آیتیں نازل ہوئیں۔ پھر آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں اسے ایک کتاب کی شکل میں خود آپ ہی کے حکم سے مرتب کیا گیا جس کی آج ہم سب مسلمان تلاوت کرتے ہیں

اللہ کی اس مقدس کتاب میں تمام انسانوں کے لیئے اور اُن کی زندگی کی ہر بات کے دینی، دنیوی، اخلاقی، علمی آپس کے تعلقات کے متعلق گھریلو اور باہر کے معاملوں کے متعلق، تجارت کے کاروبار، وطن کی خدمت، خاندان، ملک قوم غرض ہماری اس دنیوی اور ہماری آخرت کی زندگی کی تمام باتوں کے لیئے مکمل احکام موجود ہیں - ایسی اعلیٰ کتاب جس میں ہماری ہر مشکل کا حل موجود ہو اور ہر کام کے لیئے ہدایت پائی جاتی ہو نہ تو اس سے قبل کبھی آئی تھی اور نہ اب اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو جو اُس کے آخری نبیؐ کریم پر اتری ہے اس کا احترام اور عزت کرنا اور اس میں جو جو احکام ہیں اُن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ کے کچھ حکم تو صاف صاف لفظوں میں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو صاف طریقہ پر ہماری سمجھ میں نہیں آتے

ایسے احکام کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے اس لیے جہاں ہمارے لیئے قرآن واجب التعظیم ہے وہاں اس کے ساتھ ہی حدیث رسول پر عمل کرنا اور اس کی تعظیم اور عزت کرنا بھی ہم پر واجب ہے۔ ان دونوں ذریعوں سے ہم اسلام کی تمام تعلیموں کو سمجھ سکتے ہیں اور ان پر عمل کر کے سچے مسلمان بن سکتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اللہ کی اس مقدس کتاب میں پچھلی امتوں کے بڑے اچھے اور دلچسپ قصے بھی لکھے ہوئے ہیں۔ کہیں فرعون کا قصہ ہے تو کہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے واقعات ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور دوسرے انبیاؑ کے قصے بھی ذکر کیئے گئے ہیں۔ لیکن آپ اس بات کو کبھی نہ بھولیئے گا کہ یہ قصے ہرگز ان کہانیوں کی طرح نہیں ہیں جن کا مقصد محض تفریح اور دلچسپی ہو اور ان سے کوئی اچھا اور فائدہ پہنچانے والا نتیجہ نہ نکلتا ہو بلکہ ان قصوں میں بھی بڑی بڑی حکمتیں ہیں اور جتنا بھی ان پر آپ غور کریں گے آپ کو اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیئے ان سے بڑی عمدہ باتیں معلوم ہونگی

اور بڑی اچھی اچھی نصیحتیں حاصل ہوں گی جن پر عمل کرکے آپ بہترین انسان بن سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ قرآنِ کریم ہر حیثیت سے ایک عظیم کتاب ہے جو ایک مسلمان کے لیئے اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے اور دنیا و آخرت کی تمام بلندیاں اور کامیابیاں حاصل کرنے میں بے انتہا اہمیت رکھتی ہے۔

شہادت کبریٰ

حصّہ دوم

از

حضرت علامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

مضامین اور طرزِ تحریر کی ضمانت حضرت علّامہ کا خود اپنا قلم ہے۔ کتاب زیر کتابت ہے۔

سی ۹۶ بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر:۔ ۶۸۳۰۲۵

۷۸۶

چند آیات سورۂ بقرہ (الف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی
لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○

الف لام میم اس کتاب یعنی قرآن کریم میں کوئی شک نہیں ہے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ متّقین یعنی ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو اپنے دل میں خدا کا ڈر رکھتے ہوں متّقین متقی کی جمع ہے جس کے معنی ڈرنے والے اور بچنے والے کے ہیں اسی سے ایک لفظ تقویٰ بولا جاتا ہے جس کے معنی پرہیزگاری اور خدا کی

اطاعت کرنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات اُسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا ڈر ہو یہی تقویٰ اسلام کی تعلیم کی جڑ ہے۔

قرآن کریم اور حدیثوں میں اس صفت پر بڑا زور دیا گیا ہے اسی طرح هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم اُن ہی لوگوں کے لیئے مفید ہے اور وہی لوگ اس سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جو بُرائی سے اپنے کو دور رکھنے کی کوشش کریں اور جو نیکی اور بھلائی حاصل کرنا چاہتے ہوں اس لیئے یہ ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے خدا پر اعتقاد رکھیں اور اس کی بڑائی اور عظمت کے دل سے قائل ہوں ساتھ ہی ہمیں اس کا یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ نے ہم کو بغیر کسی غرض اور مقصد کے نہیں بنایا ہے وہ ہم سے کچھ چاہتا ہے اور کچھ نہیں چاہتا جو کام وہ ہمارے لیئے چاہتا ہے اسی میں ہماری بھلائی ہے اور جو کام وہ ہمارے لیئے نہیں چاہتا وہ ہمارے لیئے واقعی طور پر برا اور نقصان پہنچانے والا ہے۔ ان تمام باتوں کو خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسُولؐ کے ذریعہ ہمیں بتا دیا ہے۔

اب اگر ہم خدا کی بتائی ہوئی نیکی کے طلبگار رہیں

اور اس کی تعلیم دی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے خواہشمند
ہیں اور اس کی بتائی ہوئی برائیوں سے بچنا چاہتے ہیں تو
قرآن کریم بے شک ہمیں ہدایت کرے گا اور ہم اس کے
احکام اور ارشادات سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ورنہ
ہمیں اس سے کبھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی
مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے رات کے اندھیرے میں
کوئی راستہ چلنا چاہتا ہو اور سڑک پر روشنی بھی موجود ہو
مگر وہ اپنی آنکھیں بند کر کے چلنے لگے اور اس روشنی سے فائدہ نہ اٹھائے
یا رات نہیں دن میں دوپہر کا وقت ہی کیوں نہ ہو سورج سے
بڑا کونسا چراغ ہوگا مگر وہ اپنی آنکھیں بند کر لے اور
سورج کی روشنی سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرے تو روشنی
کے باوجود قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا اور ہر لمحہ
اس کی زندگی کے لیئے ایک خطرہ بن جائے گا۔ اس میں
نہ چراغ کا کوئی قصور ہے اور نہ سورج کا بلکہ قصور صرف
اس شخص کا ہے جس نے اُن کی روشنی سے اپنی آنکھیں بند
کر لیں اور اس سے فائدہ حاصل نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ
روشنی اس کو فائدہ دے گی جو اس سے فائدہ اٹھانے کی

کوشش کرے گا اسی طرح قرآن کریم بھی ہدایت کا ایک عظیم سورج ہے اور اس ہدایت سے وہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو متقی ہوں، دلوں میں تقویٰ رکھتے ہوں اور گمراہی سے بچنے اور ہدایت کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوں۔

———— (۰:۰) ————

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۴۸۶

چند آیات سورۃ البقرۃ (ب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ
ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○

الف لام میم ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ اس کتاب یعنی قرآن کریم میں کوئی شک نہیں ہے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ نیک لوگوں کے لیئے جو خدا سے ڈرتے ہوں ہدایت ہے ۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں ، وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔

سورۃ البقرۃ قرآن کا دوسرا سورہ ہے یہ الف لام میم سے

شروع ہوتا ہے اِسی طرح قرآنِ کریم کے اور بھی کچھ سورے اسی قِسم کے حرفوں سے شروع ہوتے ہیں۔ ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں۔ مقطّعات کے لفظی معنی اجزاء کے ہیں یعنی کسی چیز کے وہ اجزاء جن سے وہ چیز بنتی یا اُن کی طرف تحلیل ہوتی ہے۔ ان کو اس کے مقطّعات کہا جاتا ہے۔ مگر قرآنِ کریم کے ان مقطّعات کا اصلی مطلب سوائے خدا اور رسوؐل اور ان لوگوں کے جن کو سرورِ انبیاء صلیّ اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ان کے معنی بتا دیے تھے کوی دوسرا نہیں جانتا۔ ہمارے علماء نے ان لفظوں کے معنی اپنی تحقیق کے مطابق بتائے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اِن کے اصلی معنی ہر ایک نہیں جانتا۔ اِن حرفوں سے اللہ نے کچھ خاص باتوں کی طرف اشارے فرمائے ہیں اور اپنے نبیؐ اکرم کو اُن سے آگاہ کر دیا ہے۔ ذٰلِکَ عربی زبان میں دور کی چیز کی طرف اشارے کے لیئے بولا جاتا ہے ''کتاب'' سے مُراد قرآن کریم ہے چونکہ خدا کی اس کتاب کا مرتبہ بہت بلند ہے اِس لیئے اس کی طرف دور کا اشارہ ہی کرنا ضروری تھا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ اس میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں بلکہ یہ کتاب بالکل سچی ہے اِس سورہ کو البقرۃ کہتے ہیں۔ بقرہ کے معنی گائے کے ہیں چونکہ اِس

سورہ میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کی ایک گائے کا خاص طریقہ پر ذکر ہے اس لیئے اس کا نام بھی اسی کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورہ میں اللہ نے انسانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ نیک کام کریں برائیوں سے اپنے کو بچانے کی کوشش کریں احکام خداوندی کی دل سے عزت کریں اور خدا کے ہر حکم پر عمل کریں گذرے ہوئے واقعات کا بھی ذکر ہے تاکہ ان کو پڑھنے والے ان سے نصیحت حاصل کر سکیں اور گناہوں سے بچیں جن کی وجہ سے پچھلی قومیں تباہ وبرباد ہوگئیں۔ اس مبارک سورہ میں آپس کے اتفاق اور محبت پر زور دیا گیا ہے۔ والدین اور رشتہ داروں نیز دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ مصیبتوں پر صبر کرنے کی ہدایت ہے۔

لَا رَیْبَ فِیْهِ فرماکر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کتابِ خدا میں شک کی گنجائش نہیں ہے اس لیئے کہ شک صرف اسی بات میں ہوتا ہے جس کے غلط ہونے کا امکان ہو۔ مگر خدا کی کوئی بات حقیقت کے خلاف اور غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اور خدا کی ان باتوں کو اور اس کے اس کلام کو ہم تک جس ذات نے

پہنچایا وہ بھی کوئی عام اور معمولی شخصیت نہ تھی بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس تھی جن کا ہر فعل اور ہر قول خدا کی مرضی اور اس کے حکم ہی سے ہوتا تھا لہٰذا ان کی ذات بھی شک وشبہہ سے قطعی طور پر اونچی ہے اس لیے قرآن کریم ہر حیثیت سے شبہہ سے پاک ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۷۸۶

چند آیات سورۃ البقرۃ (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اب تک دو مرتبہ اِن آیاتِ مبارکہ کی تشریح میں بعض اہم باتیں بیان کی گئی ہیں اب باقی الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔

هُدًى مصدر بھی ہے اور اسم بھی آتا ہے۔ یعنی سیدھا راستہ دکھانا یا خود سیدھا راستہ اور سچا مذہب۔

مُتَّقِيْن کی لفظی تشریح اس سے پہلے بیان کی جاچکی ہے۔

غرض یہ کتاب قرآنِ کریم خدا سے ڈرنے والوں اور ہدایت کی تلاش کرنے والوں کے لیے ذریعۂ ہدایت ہے اور سچا اور سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ان خدا سے ڈرنے والوں اور ہدایت کے تلاش کرنے والوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ سے پوری طرح کام لے کر اُن چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں نہ کسی ظاہری اور جسمانی ذریعے سے محسوس کی جاسکتی ہیں جیسے خدا۔ فرشتے، دوزخ جنّت وغیرہ اِن چیزوں پر اعتقاد رکھنا ایمان کی سچائی کی دلیل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ مطلب یہ ہے کہ وہ نماز خود بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور جو روزی ہم نے خود ان کو دی ہے وہ اس میں سے دوسرے ضرورتمندوں کو دیتے ہیں۔ اس روزی سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو خدا نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور اس میں اس کا شرعی و قانونی امکان بھی موجود ہے کہ ایک شخص اپنی روزی سے دوسرے کو دے سکے وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ

هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ یعنی اے رسولؐ جو کچھ تم پر اور تم سے پہلے نازل کیا گیا یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف ہو انھیں ہدایت کی تلاش ہو اپنی سمجھ سے پورا پورا کام لیتے ہوں اور ان غیب کی باتوں پر پورا ایمان رکھتے ہوں جن کی تصدیق انسانی عقل اور نبی یا کتابِ خدا نے کی ہو اور ان میں دوسروں کی ضرورت کو اپنی ذات پر مقدّم رکھنے کا ولولہ بھی موجود ہو اور جو اُن کتابوں اور صحیفوں پر یقین رکھتے ہوں جو ہمارے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پہلے نازل ہوئے تھے یا جو کتاب خود آنحضرتؐ پر اُتری ہے۔ انھیں آنے والی قیامت کا یقین ہو آخرت کی تمام باتوں پر ان کا ایمان ہو ایسی صفتوں والے لوگوں کے لیے یہ قرآنِ مجید ہدایت اور رہنمائی کا ایک عظیم خزانہ اور وسیلہ ہے اور جن لوگوں میں یہ صفات

پائی جاتی ہیں اور وہ سچے اور پکّے مومن ہوتے ہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی ان کے قدم چومتی ہے -

---

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

چند آیاتِ سُورۃ البقرۃ (۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ

الف - لام - میم - اس کتاب یعنی قرآن کریم میں کوئی شک نہیں -

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (یہ) کتاب خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے -

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے - یعنی نماز پڑھتے ہیں وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی عطا کی ہے اس میں سے وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُس

کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو (اے رسولؐ) تمہاری طرف اُتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم سے پیشتر نازل کی گئی تھی وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور وہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اللہ کی جانب سے اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

ہم تمام مسلمان اللہ کی جس کتاب کو پڑھتے ہیں یعنی قرآنِ کریم اس کا دوسرا سورہ، سورۂ بقرہ کہلاتا ہے۔ اس سورہ میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ایک گائے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کو ذبح کرکے جب اُس کے گوشت کے ٹکڑے کو ایک مردہ شخص کے بدن پر ڈال دیا گیا تھا تو وہ قدرتِ خدا سے فوراً زندہ ہو گیا تھا اور جس آدمی نے اس کو قتل کیا تھا اس نے اس کا نام بتا دیا اس واقعہ کے ذکر کی وجہ سے اس سورہ کا نام بھی سورۃ البقرۃ رکھ دیا گیا اس لئے

کہ "بقرۃ" عربی زبان میں گائے کو کہتے ہیں - یہ واقعہ حضرتِ موسیٰ کی نبوت کی نشانی اور اللہ کی قدرت کے ظاہر کرنے کے لئے بیان ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پورے سورہ میں اللہ نے انسانوں کو بہت سی ہدایتیں فرمائی ہیں جیسے سچ بولنا - اللہ کی عبادت میں غفلت نہ کرنا - احکام خداوندی کا دل سے اقرار کرنا - اور اُن پر عمل کرنا - آپس میں میل جول کے ساتھ زندگی بسر کرنا - مصیبتوں پر صبر کرنا اور ہمت و بہادری کے ساتھ بڑے بڑے اچھے کام کرنا - اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں خاص طور پر ہم کو بتا دیا ہے کہ سچا مؤمن وہی ہے جو غیب پر ایمان رکھتا ہو یعنی جن باتوں کو ہماری عقل بتاتی ہے یا جن کی ہمارے رسولِ کریم نے خبر دی ہے جیسے اللہ کا ہونا - قیامت کا آنا - فرشتوں کا وجود - یا جنت و دوزخ یا اسی طرح کی اور سچی باتیں جن کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ان سب پر یقین رکھنا - اسی طرح سچا مؤمن وہ ہے جو نماز کا پابند ہو اور قرآن کریم میں جن باتوں کا

حکم دیا گیا ہے ان پر دل سے پورا یقین رکھے اور کسی وقت بھی حکمِ خدا سے غفلت اور لاپروائی نہ کرے اور اپنی زندگی کو، اپنی ساری جسمانی اور دماغی قوتوں کو اور اپنے سارے وقت کو ایسے کاموں میں لگائے جو خود اس کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اُن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو تو یقیناً وہ اس کو ہر کام میں کامیابی عطا فرمائے گا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۲۸۶

چند آیاتِ سُورۂ بقرہ (۵)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ رسول
اس چیز پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے
ایمان لائے اور سب مؤمن بھی اس پر ایمان لائے۔

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ سب
کے سب خدا اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور
اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔

لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم

خدا کے، رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یعنی سب کو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر جانتے ہیں اور سب پر ایمان رکھتے ہیں اور سب کو سچا سمجھتے ہیں۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

اور وہ کہنے لگے (اے ہمارے پروردگار) ہم نے تیرا فرمان سنا اور اس کو مان لیا۔ ہم کو تیری ہی بخشش کی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ خدا کسی شخص کو اس کی قوّت و طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے اچھا کام کیا تو اپنے فائدے کے لئے کیا اور اگر اس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا اے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں اور خطا کریں تو ہماری گرفت نہ فرما یعنی اس پر ہمیں سزا نہ دے اور بخش دے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

اے ہمارے پالنے والے ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے پہلے گذر جانے والے لوگوں پر تونے بوجھ ڈالا تھا۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

اے ہمارے پروردگار! اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو ہم سے نہ اٹھوا اور ہماری خطائیں بخش دے اور معاف فرما دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک و حاکم ہے (اور اے اللہ) تو ہی کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن وہ ہے جو اللہ فرشتوں، اللہ کی تمام کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان یعنی یقین رکھے اور اس کا بھی یقین رکھے کہ آخر میں ہم کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو جن جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ ایسی ہی ہیں جو بندوں کی طاقت سے باہر نہیں ہیں جن کو وہ نہ

کر سکیں بلکہ اللہ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جسے بندے کر سکتے ہیں پھر اس کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ بندوں کو ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں معافی اور بخشش کی دعا کرنا چاہیئے۔ اور اس سے نصرت و مدد مانگنا چاہیئے کیونکہ جب تک وہ رحم نہ فرمائے اور مدد نہ کرے کامیابی نہیں مل سکتی۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

زکوٰۃ کے احکام

اِسلامی تعلیمات کے دو حصّے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق خدا کے حق سے ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے حق سے ہے حقوقِ خدا میں نماز کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور بندوں کے حقوق میں زکوٰۃ کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔

قرآنِ کریم میں جابجا اس کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی گئی ہے اور پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے بھی اپنی حدیثوں میں ہر مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے:۔

جس طرح نماز پڑھنے کی ابتدا کسی نہ کسی شکل

میں اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ہی ہو گئی تھی پھر رفتہ رفتہ مدینہ میں لوگوں کو نماز پڑھنے کے تمام آداب اور سارے طریقے اور احکام معلوم ہو گئے اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کا کام بھی اسلام کے ابتدائی زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن اس کا پورا نظام فتح مکہ کے بعد جو ۸ ہجری میں ہوئی تھی عمل میں لایا گیا۔ پہلے یعنی اسلام کی ابتدا میں زکوٰۃ کا مطلب خیرات دیدینا سمجھا جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر اس کی شرطیں اور دوسری تفصیلات بھی بتا دی گئیں کہ یہ کن لوگوں پر فرض ہوتی ہے۔ کس وقت فرض ہوتی ہے اور کون کون لوگ اس کے پانے کا حق رکھتے ہیں۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو ۲ھ میں زکوٰۃ فطرہ واجب ہوئی تاکہ ہر وہ مسلمان جو قدرت رکھتا ہو عید کے دن زکوٰۃ فطرہ نکال کر مستحقوں کی مدد کرے اور اُن کی مالی پریشانیوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے کچھ زمانہ کے بعد صدقہ اور خیرات دینے پر عام طریقے پر زور دیا گیا۔ لوگوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عرض کی کہ ہم اس کو

کس طرح ادا کریں اس کے جواب میں حکمِ خدا نازل ہوا قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ ۲۱۹) اے پیغمبرؐ اس کا جواب یہ دو کہ جو کچھ تمہاری اصلی اور واقعی ضرورت سے بچ جائے اس کو خیرات کرو۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد زکوٰۃ کے سارے احکام مسلمانوں کو بتا دیئے گئے اور اُس کے وصول کرنے کے لیئے ایک نظام کے تحت کچھ لوگ بھی مقرر کر دیئے گئے۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی ہیں بڑھنا۔ ترقی کرنا۔ برکت ہونا اور پاکیزگی۔ مگر شریعت میں یہ مال کے اُس حصہ کا نام ہے جو ہر مسلمان پر خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس کو نکالے مگر یہ شرط بھی ہے کہ وہ شخص دولت کی ایک خاص مقدار کا مالک ہو ورنہ اگر وہ خاص مقدار جس کو نصاب کہتے ہیں اس کے پاس نہ ہوگی تو زکوٰۃ بھی اس پر فرض نہ ہوگی۔

غرض زکوٰۃ ادا کرنا اسلامی شریعت میں فرض ہے اگر اس حکم خدا پر پوری طرح عمل کیا جاتا رہے تو چند ہی روز میں اسلامی معاشرہ خوش حال ہو کر بڑی سے بڑی ترقی حاصل کر سکتا ہے اور وہ افلاس اور غربت

دور ہوسکتی ہے جو سیکڑوں اخلاقی روحانی اور جسمانی بیماریوں کی جڑ ہے۔

زکوٰۃ جن جن چیزوں سے نکالنا واجب ہے اس کو آپ بڑی کتابوں میں پڑھیں گے اسی طرح ان لوگوں کی تفصیل بھی آپ کو بڑی کتابوں میں مل جائے گی جو زکوٰۃ کے حقدار ہیں ان باتوں کو پوری تفصیل سے معلوم کرکے اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۸۶ء

مؤمن کون ہوتا ہے؟

مؤمن کا لفظ ہم برابر سُنتے اور بولتے رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہمیں اس پر غور بھی کرنا چاہیئے کہ مؤمن کس کو کہتے ہیں۔ آیا مؤمن بننے کیلئے صرف زبان سے خدا اور رسولؐ و امامؑ، قیامت اور دوسری ضروری باتوں کا اقرار کر لینا کافی ہے یا اس زبانی اقرار کے ساتھ کوئی اور شرط بھی ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صرف زبانی اقرار کر لینے سے آدمی مؤمن نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کا صرف زبان سے اقرار نہ کرے بلکہ سچے دل سے اس پر عقیدہ رکھے اور یہ بات تو تقریباً ہر شخص جانتا

یہی ہے کہ جب کوئی دل سے کسی چیز کو مانتا ہے اور اس پر عقیدہ رکھتا ہے تو اس کی پوری زندگی اور اس کے ہر قول و فعل پر اس کا اثر پڑتا ہے اس لیئے مؤمن صرف اسی شخص کو کہا جا سکتا ہے جو سچے دل سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہو اور جو جو باتیں پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے بتائی ہیں ان کو مانتا ہو اور اسی عقیدے کے مطابق اس پر عمل بھی ہو۔

ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو وہ خدا کا اقرار کرے رسولؐ کا اقرار کرے مگر اُس کا عمل اس اقرار کے خلاف ہو قرآنِ کریم کو خدا کی کتاب کہتا ہو مگر اُس کی زندگی قرآنی ہدایتوں کے بالکل خلاف ہو۔ مثلاً جھوٹ بولتا ہو، وعدہ خلافی کرتا ہو، لوگوں کو دھوکا دیتا ہو ان کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہو، بڑوں کا ادب نہ کرتا ہو، نماز نہ پڑھتا ہو، روزہ نہ رکھتا ہو، والدین کی عزت نہ کرتا ہو، غریبوں کو ذلیل سمجھتا ہو اور دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہو، امانت میں خیانت کرتا ہو، چاروں طرف جھگڑا اور فساد پھیلاتا پھرتا ہو، دوسروں کا نقصان کر کے اپنا بھلا

چاہتا ہو ۔ پیٹھ پیچھے لوگوں کی بُرائیاں یعنی غیبت کرتا ہو، دوسروں کی اچھائی نہ دیکھ سکتا ہو ۔ دوسرے لوگوں سے دل میں دشمنی اور حسد رکھتا ہو، غرض وہ سب کچھ کرتا ہو جسے اللہ نے اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور اپنی پاک کتاب یعنی قرآنِ کریم کے ذریعہ اپنے مؤمن بندوں کو بتا دیا ہے پھر ایسا آدمی کس طرح مؤمن کہے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے، سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی بہت سی حدیثوں میں سمجھا دیا ہے کہ مؤمن کون ہو سکتا ہے ؟

ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں "تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب تک میری محبّت اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں اور تمام چیزوں سے زیادہ نہ ہو" اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہمیں سرکارِ دو عالم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنا ہی آپ کے حکم پر عمل کرنے اور آپ کی ہدایت پر چلنے کا شوق ہمارے دلوں میں زیادہ ہوگا ۔

ایک اور حدیث میں ہے: مؤمن کی نشانی یہ ہے کہ اُس میں تین باتیں پائی جائیں ۔ ایک یہ کہ اسے اللہ اور

اس کا رسول (صلیّ اللہ علیہ و آلہٖ وسلّمؐ) ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ جس سے محبت کرے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے کرے۔

اور تیسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد پھر اس کے دل میں کبھی اسلام کی طرف سے شک وشبہ نہ پیدا ہو اور کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا ہی بُرا سمجھے جیسے آگ کے اندر گر جانے کو وہ کبھی گوارا نہیں کرتا۔

مختصر یہ کہ جس مسلمان کے اعمال اچھے ہوں گے اور خدا سے ڈرتا ہو گا اور اُس کی اطاعت کرنے کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہو گا وہی سچا مؤمن ہو سکتا ہے۔ صرف زبان سے اقرار کرنے والا ہرگز مؤمن نہیں کہا جا سکتا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

<۸۶>

اچھّا برتاؤ

اِس وقت ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دین اسلام نے ہمیں مخلوقات کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسنِ سلوک کے متعلق کیا تعلیم دی ہے اور قرآن کریم میں اس کے لیئے کیا کیا ہدایتیں موجود ہیں ۔ قرآن درحقیقت تمام دنیا کے انسانوں کے لیئے اللہ کا پیغام ہے اور اوّل سے آخر تک اسی قسم کی ہدایتوں سے بھرا ہوا ہے۔

سورۂ نساء کو دیکھئے خدا فرماتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (نساء ۳۶)

اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو ماں باپ

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں سے یتیموں سے محتاجوں سے اور قرابت دار پڑوسی سے اور اجنبی پڑوسی سے بھی پاس بیٹھنے والے سے بھی مسافر سے اور جو تمہارے قبضے میں ہو اور تم اس کے مالک ہو اس سے بھی ان سب سے نیک برتاؤ اور اچھا سلوک کرو۔ بے شک اللہ کسی غرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ کی عبادت کے بعد سب سے پہلے والدین سے اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ ہم ان کے گھر میں پیدا ہوئے اور ہماری پرورش اور دیکھ بھال میں انھوں نے کتنے دن محنت و مشقت میں اور کتنی راتیں جاگ کر گذار دیں اور کیسے کیسے دکھ جھیل کر ہم کو پرورش کیا ہے بے شک اُن کا بڑا حق ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بڑا بدنصیب ہے! بڑا بدنصیب ہے!! بڑا بدنصیب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی حضور بڑا بدنصیب کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جس کے ماں باپ موجود ہیں اور پھر وہ اُن کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے اس کے بعد آیت میں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا پھر یتیموں اور حاجتمندوں کی مدد کرنے اور اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں

جو شخص بیواؤں یتیموں اور محتاجوں کی خدمت میں لگا رہتا ہے اُس کو وہی درجہ ملے گا جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے آیت میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں" وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبیٰ" یعنی اپنے نزدیک کے پڑوسی یا رشتہ دار پڑوسی پر احسان کیا کرو اور اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

"وَالْجَارِ الْجُنُبِ" اور اگر وہ پڑوسی تمہارا رشتہ دار نہ ہو یا تمہارا ہم مذہب بھی نہ ہو اور کافر مشرک ہی کیوں نہ ہو جب بھی تم اس کے ساتھ بُرائی نہ کرو اور اچھا ہی سلوک کرتے رہو۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اور اپنے پاس بیٹھنے والے اور اپنے ساتھی کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو اس جملہ میں ساتھیوں کی بہت سی قسمیں آجاتی ہیں مثال کے طور پر پیشے کے ساتھی۔ اسکول کے ساتھی، ایک دفتر میں کام کرنے والے، ایک ساتھ سفر کرنے والے غرض ہر مسلمان کو اپنے رفیق اور اپنے ساتھی سے حُسنِ سلوک کرنا اسلام کی تعلیم ہے۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ یعنی مسافر کے ساتھ نیک برتاؤ کرو وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اور جن کے تم مالک ہو اور وہ تمہارے قابو اور قبضہ

میں ہیں۔ اس ارشادِ خداوندی میں کتنی وسعت ہے اس میں کنیز، غلام، نوکر، چاکر، قیدی یہاں تک کہ جانور بھی شامل ہیں ان سب ہی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان پر رحم کرنا ان کی مدد کرنا اور ان کی تکلیف کا خیال رکھنا اور ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ایک سچے مسلمان کا اسلامی فرض ہے۔ پھر اس آیت کے آخر میں یہ ہے کہ خدا کسی مغرور آدمی اور شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا تو اب خدا کسے پسند فرماتا ہے اس کا جواب صاف ہے یعنی خدا اس آدمی کو پسند کرتا ہے۔ جو دوسروں سے جھک کر ملے۔ خدا کی سچے دل سے عبادت کرے اور اُن تمام لوگوں سے نیک برتاؤ اور اچھا سلوک کرے جن کا اس آیۂ کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے یا وہ ان الفاظ کے وسیع دائرہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔

اور چونکہ یہ حکم کسی خاص آدمی کے لئے مخصوص تو ہے نہیں بلکہ سب ہی مسلمانوں کے لئے ہے پھر جب سب کے سب اس حکم پر عمل کریں گے تو آپس میں کیسا خلوص اور کیسی محبت پیدا ہو جائے گی اور ہماری پوری قوم اور ہمارا پورا معاشرہ خوش حالی اور آرام و راحت کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۲۲۶

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ
وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٪

اِن آیات کا ترجمہ یہ ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۔
(اے رسُول) جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ
اَفْوَاجًا اور تم لوگوں کو خدا کے دین میں جُوق در جُوق (یعنی بڑی
کثرت اور زیادتی کے ساتھ داخل ہوتا ہوا دیکھ لو فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا تو تم اپنے پرورد گا کی تعریف
کے ساتھ تسبیح کرنا اور اسی سے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگنا
وہ بیشک بڑا معاف کرنے والا ہے ۔

یہ سورۃ مبارکہ مدینہ میں نازل ہوا تھا اور اس کی تین

آئینہ ہیں۔

اکثر مفسروں نے یہ لکھا ہے کہ سورۂ نصر ان سوروں میں سب سے آخری سورہ ہے جو پورے پورے نازل ہوئے ہیں۔ اکثر کا قول ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو سال زندہ رہے پھر آپ کی وفات ہوگئی۔

اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جس فتحِ عظیم کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد فتحِ مکہ ہے اور کچھ لوگوں نے اس سے ساری فتوحات مراد لی ہیں جو خدا نے اپنے رسول کو عطا فرمائی تھیں۔ غرض مکہ معظمہ چونکہ اس وقت کافروں کا مرکز بنا ہوا تھا اور تمام لوگوں کی اس پر نظریں لگی ہوئی تھیں کہ مسلمان اس شہر کو فتح کر سکتے ہیں یا نہیں اسی لیے اللہ نے اپنے نبی کریم کو پہلے بشارت دیدی کہ یہ شہر بھی فتح ہو جائے گا اور پھر سارے کفار جوق در جوق اور گروہ در گروہ دینِ اسلام کو قبول کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ بشارت اس لیئے تھی کہ جب تک مکہ فتح نہ ہوا تھا اس وقت تک ایک ایک اور دو دو آدمی مسلمان ہوتے تھے مگر جب کافروں کا

مرکز ہی فتح ہوگیا اور اُنھیں کوئی آس نہ رہی اور ان کی ساری سرکشی اور گھمنڈ خاک میں مل گیا تو اُس وقت وہ سمجھ گئے کہ اب ہم رسولؐ اسلام سے مقابلہ میں کبھی جیت نہیں سکتے اور آخر بڑی کثرت سے انہوں نے اسلام کو قبول کرنا شروع کردیا۔

مکہ ۸ھ ہجری میں رمضانُ المبارک کے مہینہ میں فتح ہوا تھا اور یہ وہی جگہ تھی جہاں کے کافروں نے رسولؐ اکرم کو انتہائی اذیتیں پہنچائی تھیں اور آخر میں آپ اس پر مجبور کر دیئے گئے تھے کہ اپنے اس عزیز اور محبوب وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کریں۔

حضرت ابنؓ عباس مشہور صحابیِ رسولؐ اللہ نے اس سورہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں حضورؐ انور کی وفات کی بھی خبر دی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب آپ اپنے وطن مکہ کو فتح کر لیں اور کافروں کے اس آخری اور سب سے زیادہ مستحکم اور مضبوط مرکز کو بھی توڑ دیں اور آپ اپنی آنکھوں سے دینِ حق کو پھیلانے کے سلسلہ میں اپنی کوششوں اور قربانیوں کا پھل دیکھ لیں کہ لوگوں کی فوجیں آپ کے پرچم کے نیچے آجائیں اور اسلام قبول کرلیں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ پھر اللہ کی بارگاہ میں آنے کی

تیاریوں میں لگ جائیں اور سمجھ لیں کہ جو کام آپ کو پورا کرنا تھا وہ پورا ہو گیا ہے اور اب آخرت کی طرف جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ اس فتح اور نصرت الٰہی کے شکریہ میں نبی کریم حمد خدا کریں یہاں مغفرت کی دعا کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ العیاذ باللہ نبی کریم سے کوئی گناہ ہو گیا تھا جس کی بخشش طلب کرنے کا حکم ہوا ہو بلکہ اس سے مراد صرف انکسار ہے کیونکہ انبیاؑ و مرسلین کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ باوجود گناہ نہ کرنے کے خدا کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری کے طریقہ پر اپنی ذات کو گناہ گار ہی کہتے تھے اور باوجود حکم الٰہی کی پوری طرح تکمیل کرنے کے ہمیشہ یہی کہتے رہتے تھے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا اسی طرح اس سورہ میں بھی استغفار کا یہی مطلب ہے یا اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جب خود رسول اللہ استغفار کریں گے تو لوگ استغفار کا طریقہ سیکھ جائیں گے۔ اور دوسروں کو اس کی تعلیم ملے گی کہ جب کوئی نعمت خدا کی طرف سے عطا ہو تو ہر مسلمان کو چاہیئے کہ خدا کی حمد و ثنا کرے اور اس کی بارگاہ میں مغفرت طلب کیا کرے۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

ایمان و کفر میں مصالحت نہیں ہو سکتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ لَاۤ اَعۡبُدُ
مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا
عَبَدۡتُّمۡ ۙ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ
وَلِیَ دِیۡنِ ۠

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ اے رسولؐ تم کہہ دو کہ اے کافرو۔

لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ میں ان چیزوں کو نہیں پوجتا ہوں جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔

وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ اور نہ تم اس خدا کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو پوجنے والا نہیں ہوں۔

وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ اور تم اس کی عبادت کرنے

والے نہیں ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تمہارے لیئے تمہارا دین اور میرے لیئے میرا دین۔

کفر انکار کرنے کو کہتے ہیں اور کافر اس کو کہتے ہیں جو کسی بات کا انکار کرے مگر جب دین اسلام کے معاملوں میں کافر کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دین اسلام کا انکار کرے اور اُسے نہ مانے۔

سورۂ "الکافرون" مکہ میں نازل ہوا تھا اس کی کل چھ آیتیں ہیں۔ ایک مرتبہ قریش کے کچھ سرداروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تھی کہ آیئے ہم اور آپ آپس میں سمجھوتہ اور فیصلہ کرلیں کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں پھر دوسرے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں اس طرح ہم دونوں فریقوں کو ہر ایک کے دین میں سے کچھ حصہ مل جائے گا آپ نے فرمایا خدا کی پناہ! یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک لمحہ کے لیئے بھی کسی کو خدا کا شریک بناؤں۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوا۔

پھر آنحضرتؐ نے کفار کے مجمع میں اس کو پڑھا اور اُنھیں بتایا کہ میں اُن کے جھوٹے معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا بلکہ میں تو

وحدہٗ لا شریک اللہ کی عبادت کرتا ہوں صرف وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے وہی ہر چیز کا خالق ہے اور تم لوگ اصلی خالق کو چھوڑ کر اس کی مخلوق اور پیدا کی ہوئی چیزوں کی پوجا کرتے ہو۔

اس زمانہ میں مکہ ہی پر کیا ساری دنیا میں غیر خدا کی پرستش ایک عام بات تھی ہر جگہ لوگ بتوں کو جانوروں کو آگ اور ستاروں کو جنوں اور اسی طرح کی دوسری معمولی معمولی چیزوں کو پوجتے تھے اس لیئے آنحضرتؐ نے اعلان فرما دیا کہ میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرتا اس کے سوا کوئی بھی معبود کہے جانے کے لائق نہیں اور یہ بھی مجھے توقع اور امید نہیں کہ تم اللہ کی روشن نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اس پر ایمان لاؤ گے یہ ان کافروں کی طرف اشارہ تھا جن کے متعلق آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ وہ آخر تک ایمان نہ لائیں گے۔ اور اپنے کفر ہی پر مریں گے مفسروں نے لکھا ہے کہ اس جملہ کا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ کا دو بار لایا جانا صرف تاکید کے لیئے ہے کیونکہ کفار آنحضرتؐ سے بار بار کہتے تھے کہ آپ ہم سے اس طرح کا سمجھوتہ کر لیجئے تو خدا نے بھی آپ کو اس کا حکم دیا کہ آپ تاکید کے ساتھ بار بار ان کو بتا دیں کہ میں نہ تمہارے معبودوں کی پرستش

کر سکتا ہوں اور نہ تم اللہ کی عبادت کرنے والے ہو۔

آخر میں رسول اکرم کو ان کافروں سے یہ کہہ دینے کا حکم ہوا لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ تمہارے لیئے تمہارا دین اور طریقہ ہے اور میرے لیئے میرا دین اور طریقہ ہے میں اپنے ہی طریقہ پر چلتا ہوں اور ہمیشہ چلتا رہوں گا۔

مگر خدا کے اس فرمان سے کہ نبی کریم ان لوگوں سے کہدیں کہ تمہارے لیئے تمہارا دین اور طریقہ ہے" اسکی اجازت ظاہر نہیں ہو سکتی کہ کافر اپنے اپنے مذہب پر قائم اور باقی رہیں بلکہ یہ تو بیزاری اور نفرت ظاہر کرنے کا ایک انداز ہے کہ اگر تم لوگ حق کا انکار کرتے ہو اور اپنی گمراہی پر جمے ہوئے ہو تو جمے رہو خود ہی اس سرکشی اور گمراہی کا نتیجہ بھگتو گے مکہ کے کافروں نے آنحضرت کو بڑی سے بڑی لالچ دی اور طرح طرح سے آپ پر زور ڈالا کہ آپ دین حق کی تبلیغ چھوڑ دیں مگر اسکے باوجود کہ حضور کے پاس دنیا کی دولت نہ تھی اور اسوقت آپ کے ساتھی بھی زیادہ نہ تھے اور ان میں کافروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت بھی نہ تھی مگر سرورِ دو عالم نے اپنے اس ارشاد سے دنیا والوں کو بتادیا کہ حق کبھی باطل سے دب نہیں سکتا اور جسکے دل میں سچا ایمان ہوتا ہے وہ کسی لالچ یا کسی خوف سے حق اور ایمان کے راستہ کو چھوڑ نہیں سکتا اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں بھی باطل کے سامنے کبھی نہ جھکنا چاہیئے اور نہ کسی بڑی سے بڑی لالچ یا خوف کی وجہ سے حق کے راستے کو چھوڑنا چاہیئے۔

٧٨٦

سُورۃُ القریش پر
ایک نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ۚ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ؕ

یہ سورۃ القریش کہلاتا ہے اور تیسویں پارہ کے اکتیسویں رکوع میں ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ چونکہ قریش کو مالوف یعنی مانوس کر دیا ہے اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر

سے مانوس کر دیا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (تو اس کے شکریہ میں) ان کو چاہیئے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر میں امن عطا کیا۔

حضرت رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جس قبیلے میں پیدا ہوئے تھے اس کو قُرَیش کہتے ہیں۔ اس کو قُریش کیوں کہتے ہیں مورخین نے اس کی بہت سی وجہیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک مشہور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ایک بزرگ کا لقب تھا جن کا نام نَضر بن کِنَانَہ تھا جو آنحضرتؐ سے پہلے آپ کی بارھویں پشت میں تھے تو اِن کی تمام اولاد اسی لقب کے ساتھ مشہور ہو گئی۔

" اِیلَاف " کے معنی ہیں مانوس کرنا " رِحْلَة " سفر " شِتَآء " جاڑے کا زمانہ " صَيْف " گرمی یہ لفظ صاد سے ہے اور جو لفظ سین سے ہے اس کے معنی تلوار کے ہیں۔ قریش چونکہ مکہ میں رہتے تھے اور وہیں خانۂ کعبہ بھی ہے اس وجہ سے تمام عربستان کے لوگ اُن کی بڑی عزت کرتے تھے اور اُنھیں خانۂ خدا کا مجاور کہا جاتا تھا۔

حالانکہ عربوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت ایک
عام بات تھی اور اُن کی عادت میں داخل تھی مگر قُریش
خدا کے گھر کے خادم اور مجاور ہونے کی وجہ سے ہمیشہ محفوظ
رہتے تھے اور کوئی اُن کا مال نہیں لوٹتا تھا مکّہ میں غلّہ وغیرہ
تو پیدا ہوتا نہ تھا اس لیئے قریش کی عادت تھی کہ وہ سال
بھر میں تجارت کی غرض سے دو مرتبہ سفر کیا کرتے تھے جب
جاڑا ہوتا تھا تو یمن جاتے تھے۔ اس لیئے کہ وہ گرم ملک ہے اور
جب گرمی آتی تھی تو ملک شام جاتے تھے اس لیئے کہ وہاں
اس وقت سردی ہوتی تھی اور ہر طرف ان کو اس فصل
میں سرسبزی اور شادابی ملتی تھی۔ تمام لوگ قُریش کو
بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی بڑی خدمت
کرتے تھے اور ان کی جان و مال کی پوری حفاظت کرتے تھے۔
اس طرح انھیں بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ پھر امن اور
چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے کھلاتے تھے۔ اسی اپنی نعمت اور
اپنے احسان کو اللہ نے قُریش کو یاد دلایا ہے کہ اس گھر
کے صدقے میں تم کو روزی ملتی ہے اور تم چین سے کھاتے
پیتے اور آرام کی زندگی بسر کرتے ہو پھر اس گھر کے مالک

اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسولؐ کو کیوں ستاتے ہو اور ان کی اطاعت اور پیروی کیوں نہیں کرتے۔ یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے۔

یہاں آپ اسے بھی یاد رکھیں کہ قُریش ایک بڑے قبیلے کا نام تھا جس کی بہت سی شاخیں تھیں اور بہت سے خاندان تھے آنحضرت صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلّم قُریش کے ایک بے حد مشہور اور سب سے زیادہ باعزت خاندان "بنی ہاشمؑ" سے تھے۔

حضرت ہاشمؑ آپ کے دادا حضرت عبد المطلبؓ کے والد تھے اور ان ہی کی طرف یہ خاندان بنی ہاشم نسبت رکھتا ہے۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

صلحِ حُدَیبیّہَ

پہلے تو یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ حُدَیبِیّہَ سے کیا مراد ہے یہ دراصل ایک کنویں کا نام ہے جو مکّہ سے تقریباً بارہ (۱۲) میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اور جس بستی میں یہ کنواں تھا اس کا نام بھی اسی کنویں کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں اور کفارِ مکّہ کا صلح نامہ اسی جگہ ہوا تھا۔ اس وجہ سے اس کا نام بھی صلحِ حُدَیبِیّہَ قرار پایا۔ یہ صلح کا معاہدہ سنہ ۶ ہجری ذی قعدہ کے مہینے میں ہوا تھا سرورِ انبیاءؐ دسویں ذی قعدَہ کو مدینے سے مکّہ روانہ ہوئے تھے۔ اُس وقت آپ کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) مسلمان تھے اور آپ کا ارادہ صرف یہ تھا کہ آپ مکّہ میں عُمرہ ادا کریں گے عُمرہ اور حج دونوں

عبادتوں کی غرض ، خانۂ کعبہ کی زیارت اور وہاں سے متعلق جو احکام ہیں ان پر عمل کرنا ہے صرف بعض حکموں میں فرق ہے آپ یوں سمجھیں کہ عُمرہ ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی بہت سی باتیں اور رسمیں انجام دی جاتی ہیں جیسے احرام باندھنا اور طواف کرنا وغیرہ حج اور عُمرہ کے تفصیلی احکام شریعت کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

غرض رسُولؐ اللہ اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہو کر مقام حُدیبیّہ تک پہنچ گئے اور چونکہ اصلی غرض تو یہ تھی کہ عُمرہ ادا کریں گے اس لیئے تمام مسلمان بغیر ہتھیار لیئے سفر کر رہے تھے تاکہ سب لوگ سمجھ جائیں کہ ان کا ارادہ لڑائی کرنے کا بالکل نہیں ہے مگر جب یہ خبر مکّہ کے لوگوں کو ہوئی تو وہاں ہل چل مچ گئی اور تمام قُریش نے مل کر طے کر لیا کہ ہم کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

ادھر جب آنحضرتؐ حدیبیّہ تک آ گئے۔ تو یہ تمام خبریں آپ تک پہنچ گئیں۔ یہ سن کر آپ نے اہل مکّہ کے پاس پیغام روانہ کیا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آ رہے ہیں۔ بس عُمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے مگر اس پیغام کا کوئی بھی جواب نہ آیا۔ اُس وقت حضورؐ انور نے اِس

خیال سے کہ شاید لڑائی کی نوبت آجائے سب صحابہ کرامؓ سے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ اسی کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ جب اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی تو وہ ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو اب مسلمان ہم پر حملہ کر دیں پھر ان لوگوں نے اپنے کچھ سرداروں کو صلح کا پیغام دے کر آنحضرتؐ کے پاس بھیجا اور بالآخر یہ طے ہو گیا کہ صلح ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں بعض شرطوں پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان بڑی بحث ہوئی اور قریب تھا کہ تلواریں چلنے لگیں۔ مگر آں حضرتؐ کے حکم سے سب مسلمان خاموش ہو گئے۔ اور بڑے صبر اور تحمّل کے ساتھ قریش کی بہت سی سخت شرطیں بھی منظور کر لی گئیں اور صلحنامہ کی عبارت بحکم آنحضرتؐ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے تحریر فرمائی

اس صلح نامہ کی شرطوں میں یہ بھی طے ہوا کہ اس سال مسلمان بغیر عُمرہ ادا کیئے مدینہ واپس چلے جائیں گے اور دوسرے سال پھر آکر عُمرہ بجالائیں گے اور مکہ میں صرف تین روز قیام کریں گے۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس برس تک قریش اور مسلمانوں میں لڑائی بند رہے گی اور اس مدت میں جو آدمی قریش کا مسلمانوں کے پاس چلا جائے

گا اس کو تو مسلمان واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں سے قریش کے پاس آجائے گا تو وہ اسے واپس نہیں دیں گے۔

اسی صلحنامہ کی بنا پر دوسرے سال آنحضرتؐ نے مکہ میں آکر عمرہ ادا فرمایا تھا اگرچہ ظاہر میں اس صلحنامہ کی بعض شرطیں مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن حقیقت میں اسی پر اُن کی آئندہ ترقی اور کامیابی کا انحصار تھا جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

اس صلح کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ اور اسکے پھیلنے میں بڑا فائدہ حاصل ہوا پہلے مسلمانوں کو کفارِ مکہ سے ملنے جلنے کا موقع نہیں ملتا تھا مگر اس صلح کے بعد جب لڑائی کا ڈر نہ رہا تو دونوں گروہ ایک دوسرے سے آزادانہ ملنے لگے اور اس طرح مسلمانوں کو قریش کے قبیلوں میں اسلام پھیلانے کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آگیا اور بڑی تیزی کے ساتھ اُن میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی اور بڑی کثرت سے لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ یہاں تک کہ صلحِ حُدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں مسلمانوں کی اتنی تعداد بڑھ گئی کہ جب نبی کریم ۸ھ میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمانوں کا لشکر تھا جبکہ دو برس پیشتر صلح حدیبیہ کے وقت صرف پندرہ سو ۱۵۰۰ آدمی تھے سچ تو یہ ہے کہ صرف فتح مکہ ہی نہیں بلکہ آئندہ کی تمام فتوحات کی بڑی بنیاد یہی صلح حُدیبیہ تھی۔

دُرُود کیا ہے؟

دُرُود فارسی زبان کا لفظ ہے جسے عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اس لفظ "دُرُود" کے معنی موقع اور محل کے لحاظ سے بدل جایا کرتے ہیں کبھی تو اسے رحمت کے معنی میں بولا جاتا ہے جبکہ اللہ کی طرف اس کی نسبت دی جائے۔ اور کبھی رحمت کے لیئے دعا اور درخواست کرنا اس سے مراد ہوتا ہے اگر اس کی نسبت انسانوں یا فرشتوں کی طرف ہو اور کبھی اس سے ثنا و صفت اور استغفار بھی مراد لیتے ہیں غرض یہ لفظ جہاں کہیں بھی بولا جائے وہاں کے

موقع کی مناسبت سے اس کے معنی بیان کیئے جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں دُرُود کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الخ (سورۃ احزاب ۵۶) اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا اور اس کے فرشتے نبیؐ پر دُرُود بھیجتے ہیں اس کے بعد تمام ایمان والوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی ان پر دُرُود بھیجیں اور سلام کرتے رہیں۔ اس آیت میں دُرُود بھیجنے کی نسبت خدا کی طرف ہے اور فرشتوں اور تمام ایمان والوں کی طرف بھی اس لیئے یہاں پر ہر ایک کی نسبت سے دُرُود کے معنی بدل جائیں گے۔

دُرُود بھیجنے میں یوں تو بڑا ثواب ہے۔ لیکن جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کہیں ذکر آجائے تو پھر یہ واجب ہو جاتا ہے۔ نماز کے آخری تشہّد میں بھی اکثر علماء کے نزدیک دُرُود پڑھنا واجب ہے اور بغیر اِس کے نماز درست اور قبول نہیں ہوتی۔ اس فضیلت میں آنحضرتؐ کی حدیثیں کثرت سے موجود ہیں

ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں "جب تک کوئی مؤمن مجھ پر دُرُود بھیجتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے بھی اس کے لیئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص میرا ذکر سُنے اور دُرُود نہ بھیجے وہ ہلاک اور برباد ہوگیا۔ ایک مقام پر یوں ہے کہ جب تک دُرُود نہ بھیجا جائے کوئی دعا آسمان پر نہیں جاتی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تو دُرُود بھیجنے سے زیادہ کوئی عمل بھاری اور وزنی نہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب دُرُود بھیجا جاتا ہے تو اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک آتا ہے اور آپ کی یاد ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے اور جب آپ کی یاد بڑھتی ہے تو ساتھ ہی آپ کی تعلیمات اور آپ کی پاک وپاکیزہ زندگی کا بھی تصور ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اطاعتِ الٰہی کی طرف دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے اور ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیئے دُرُود بھیجنے کی فضیلت بھی اور اعمال سے زیادہ ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت سرورِ انبیاء صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم حضورؐ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں مگر ہم دُرُود کس طرح بھیجیں یہ بھی ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ۔

یعنی اے پروردگار تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما جس طرح تونے ابراھیمؑ اور آلِ ابراھیمؑ پر اپنی رحمت نازل فرمائی ہے۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

یتیم کا مرتبہ

اسلام کی نظر میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (پارہ ۳۰۔ رکوع ۱۸، سورۃ الضحیٰ)۔

پس تم یتیم پر ستم نہ کرنا اور سوال کرنے والے کو نہ جھڑکنا۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہنا۔

مکہ میں اعلانِ اسلام سے پہلے کسی ملک اور کسی قوم میں یتیموں کی دیکھ بھال اور ان کے حقوق کا پاس ولحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اسلام کے دوسرے اصول اور احکام سے دنیا کو روشناس کیا ساتھ ہی ان بے سہارا اور قابل رحم والوں

بچوں کی حفاظت اور تربیت اور ان کے تمام انسانی حقوق بھی سمجھائے تاکہ یہ بچے لوگوں کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں اور اپنے باپ کے سائے سے محروم ہو جانے کے بعد بھی یہ زندگی کے جائز حقوق سے محروم نہ ہونے پائیں۔

عربوں میں روزانہ لڑائیوں کی وجہ سے ہر طرف یتیموں کی کثرت تھی مگر جیسا چاہیئے کسی شخص کو بھی ان کے حقوق کا خیال نہ تھا یہاں تک کہ یہ چھوٹے بچے اپنے باپ کے ترکہ تک سے محروم رکھے جاتے تھے اور عام طور پر لوگوں کے دلوں میں ان غریبوں کے لیئے محبّت اور شفقت کا کوئی جذبہ نہیں پایا جاتا تھا یہ اسلام ہی تھا جس نے اس بے بس اور مظلوم انسانی طبقہ کی فریاد رسی کی اور اسلامی شریعت ہی وہ پہلی شریعت ہے جس نے یتیموں کے حقوق سے پورے طور پر دنیا کو آگاہ کیا۔

آج دنیا بھر میں یتیم خانے کثرت کے ساتھ ہر طرف پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ رسولِ اسلام کے اس دنیا میں تشریف لانے سے قبل کہیں بھی کوئی یتیم خانہ موجود نہ تھا اور نہ کوئی ایسا مرکز موجود تھا جہاں خاص طور پر یتیموں

کی پرورش اور تربیت کی جاتی ہو یہ سب کچھ آنحضرتؐ کی تعلیم کی برکت تھی جس نے اس بے کس گروہ کو مایوسی اور ذلت کے گہرے غار سے نکال کر اسے انسانی معاشرہ کے سر کا تاج بنا دیا۔ اسلام میں یتیموں کی عزت اور مرتبہ کیا ہے اس بات کو آسانی کے ساتھ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ سرور دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خود بھی یتیم ہی تھے اور اکثر تاریخوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ آپ اپنے والد حضرت عبدؓ اللہ کی وفات کے وقت حضرت آمنہؓ کے شکم اطہر میں تھے اور ولادت باسعادت کے بعد ابھی آپ کی عمر سات سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا اور جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے بھی وفات پائی اور عالم انسانیت کے اس عظیم ترین یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال آپ کے سگے چچا حضرت ابوطالبؓ کے سپرد ہوئی جنہوں نے آپ کی حفاظت میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

بلاشبہ اسلام میں یتیم کا بڑا مرتبہ اور بڑا حق ہے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ تم کبھی یتیم پر قہر وستم نہ کرنا اور اسکے حقوق پر دست درازی کی جرأت نہ کرنا اور اس ارشاد سے قبل اسی سورۂ مبارکہ میں

اپنے رسول کی طرف خطاب فرما کر یہ بھی فرمایا گیا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا خدا نے تمہیں یتیم پا کر پناہ نہیں دی۔ اسی طرح حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی طرف خطاب کرتے ہوئے لفظ یتیم کا استعمال کر کے خدا نے یتیموں کے مرتبہ اور حیثیت کو اس قدر اونچا کر دیا ہے کہ اب اسلامی نقطۂ نظر سے اس لفظ کے ساتھ احساسِ کمتری کے تصور کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ اب یہ لفظ خدا کی آخری کتاب میں اس شخصیت کے لئے بولا جا رہا ہے جو کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے پھر خود آنحضرتؐ نے بھی ایک مشہور حدیث میں فرمایا ہے اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا یعنی میں اور کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یہ فرما کر آپ نے پہلی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر بتایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں آپس میں متصل ہیں اسی طرح وہ شخص بھی جنت میں مجھ سے قریب ہوگا۔

اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ یتیموں کے ساتھ انتہائی مہربانی کا برتاؤ کریں اور انھیں محسوس نہ ہونے دیں کہ ان کے سر پر اُن کے باپ کا سایہ موجود نہیں ہے اور ایسی تحریکوں میں اپنے پورے وسائل سے شریک رہیں جو یتیموں کی زندگی کو بہتر بنانے اور اُن کی تربیت اور تعلیم کے لیے کی جاتی ہیں۔

۷۸۶

توحید اور قرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اے رسولؐ تم کہہ دو کہ خدا ایک ہے وہ بے نیاز ہے وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر اور اس کے برابر ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ توحید بھی کہتے ہیں اور

سورۂ اخلاص بھی۔

قرآنِ کریم نے جس طرح توحید کے مسئلے کو انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور کسی ملت میں نہیں ملتی۔ لوگ ہر طرف بھٹک رہے تھے کوئی حضرت عُزیرؑ نبی کو خدا کا بیٹا کہتا اور کوئی حضرت عیسیٰؑ کو کوئی چاند ستاروں اور سورج کو پوجتا تھا تو کسی کا سر بتوں کی چوکھٹ پر جھکا ہوا تھا۔ غرض انسان اپنے مقام کو بھول کر کائنات کی معمولی معمولی چیزوں کی پرستش کر رہا تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جو اس کے قائل ہی نہ تھے کہ اس کائنات کو کسی نے بنایا ہے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ساری مخلوقات خود بخود پیدا ہو گئی ہے اس لیے خدا نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ تم دنیا والوں کو توحید کے اصلی معنی، اس کی اصلی وجہ اور اس کی حقیقی شان سے آگاہ کر دو اور بتا دو کہ اس کائنات کا خالق موجود ہے اور وہ واحِد و اَحَد ہے یعنی نہ تو اس کا جیسا کوئی دوسرا ہے اور نہ اس کی قدرت اور بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے وہ اپنی تمام صفتوں میں بے مثل

اور بے نظیر ہے وہ "صَمَد" ہے یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ حضرتِ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "صَمَد" اس کو کہتے ہیں جو اپنی سرداری اور عزّت و بزرگی میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ "صَمَد" کے ایک یہ بھی معنی بیان کیئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوقات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہے یعنی اس کی ذات لازوال ہو اور وہ کبھی فنا نہ ہو سکے اور ظاہر ہے یہ بات سوائے اللہ کے کسی دوسرے کے لیے ممکن نہیں ہو سکتی اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے بلکہ ساری کائنات کا وہی اکیلا خلق کرنے والا ہے۔ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو اس کی ذات میں نہ ہو بلکہ وہ تو کمال ہی کمال ہے اور جب اس میں کوئی عیب نہیں، کوئی نقص نہیں، کوئی کمزوری نہیں بلکہ اس کی ذات ہر طرح کامل ہے تو پھر وہ کسی دوسرے کا محتاج کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہر ایک خود اس ہی کا محتاج ہوگا۔ کیونکہ اس کی ذات کے مقابلہ میں کائناتِ عالم

کی ہر چیز ناقص ہے اور اپنے نقص کو دور کرنے کے لیئے وہ خدا کی طرف احتیاج رکھتی ہے۔ سورۂ اخلاص کے ان چند جملوں میں قرآنِ کریم نے جس طرح اللہ کی عظمت اور اس کی توحید کے مسئلے کو بیان کر دیا ہے بڑی سے بڑی عبارت میں بھی اس خوبصورتی کے ساتھ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

توحید اور رسالت

اسلام میں جس عقیدہ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور جسے مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا وہ توحید اور رسالت کا عقیدہ ہے۔

اب ہمارا پہلا فرض یہ ہوگا کہ ہم ان دونوں باتوں کے معنی پوری طرح سمجھ لیں تاکہ ہم سچے مسلمان بن سکیں۔

توحید کے عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کی ذات اور اس کی صفتوں میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

یہ بات تو سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ خدا ہر برائی،

ہر کمزوری اور عیب و نقص سے پاک ہے تو ایسی صورت میں پھر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جب خدا ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے تو اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ شریک اسی وقت بنایا جا سکتا ہے جب بغیر اس کی مدد کے کام پورا نہ ہو سکتا ہو اور یہ خیال خدا کی ذات کے لیے یقیناً بڑا عیب ہے کہ وہ بغیر دوسرے کی مدد کے کوئی کام نہ کر سکے جس سے اس کی ذات یقیناً بلند و برتر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خدا اکیلا نہ ہوتا اور اس کا شریک ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دو یا دو سے زیادہ خدا ہوتے حالانکہ یہ بات کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتی۔ بات بڑی صاف سی ہے مگر تھوڑے سے غور اور توجہ کی ضرورت ہے۔ دیکھیئے! اگر خدا کا کوئی شریک ہو تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ کیا خدا بغیر اس اپنے شریک کی مدد کے مخلوقات کو پیدا کرنے اور عالم کا انتظام کرنے پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں اگر اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ قدرت نہیں رکھتا تو ایسی ہستی خدا ہرگز نہیں ہو سکتی جو اپنے کاموں میں دوسروں کی امداد کی طرف محتاج ہو اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ خدا ہرگز اپنے شریک

کی مدد کا محتاج نہیں ہے بلکہ جو اس کی مشیت ہوتی ہے وہ خود ہی کرتا ہے نہ اس کے ارادہ کو کوئی روک سکتا ہے اور نہ اس کو کوئی مدد دے سکتا ہے تو پھر ایسی صورت میں کسی شریک کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ وہ خود ہی ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ یکتا، اکیلا اور وحدہٗ لاشریک ہے اور یہی توحید کا عقیدہ ہے اس کے بعد ہمارا عقیدہ نبوّت و رسالت کا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک ایسے انسان کی ضرورت ہے جو خدا کی طرف سے خاص طور پر حاکم اور ہدایت کرنے والا مقرر ہو کر آئے جو خلقِ خدا تک خدا کے احکام پہنچائے اور بندوں کو خدائی قانون کا جسے شریعت کہتے ہیں پابند بنائے اور وہ ایسا شخص ہو جو اخلاق، عادتوں اور کردار و عمل میں ہر طرح قابلِ اعتماد اور بھروسے کے لائق ہو اور گناہ گار نہ ہو پھر وہ جن لوگوں کی ہدایت کے لیئے آیا ہو اُن سب سے افضل اور بہتر ہو اور خدا اور اس کے درمیان سوائے فرشتہ یا وحی و الہام کے کوئی واسطہ نہ ہو

خواہ اس کو کوئی کتاب ملی ہو یا نہ ملی ہو۔

ہماری عقل ہمیں بتاتی ہے کہ جب تک ایسا شخص خدا کی طرف سے نہ آئے گا خدا کی مرضی اور مشیّت کا ہم کو علم نہیں ہو سکتا یعنی ہم یہ نہیں جان سکتے کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا اور کس بات سے راضی ہے اور ہمارے کس عمل سے راضی نہیں ہے کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر اور صاف ہے کہ بندے خدا تک خود جا کر اُس کی مرضی نہیں معلوم کر سکتے اور خدا بھی اپنے عام بندوں سے کلام نہیں کرتا اس لیئے اب خدا کی مرضی اور اس کا حکم یا ناراض ہونا کیونکر معلوم ہو تو یہ بات صرف اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ ایک ایسا شخص خدا چن کر بھیجے جس پر اس کو بھروسا ہو اور وہ جانتا ہو کہ یہ لوگوں کو سیدھی راہ پر لگا دے گا اور جو حکم اور امر اسے میری طرف سے ملے گا اس کے خلاف نہیں کرے گا ایسے ہی انسان کا نام نبیؐ اور رسول ہے یہ باتیں اتنی ضروری ہیں کہ اگر ہم ان کا اعتقاد نہ رکھیں تو ہم مسلمان نہیں بن سکتے۔

۸۶ ؍

وقت کی پابندی

اس بات کو ہمیں کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ہمارے مال و دولت، لباس اور کھانا پینا غرض زندگی کی ساری ضرورتوں میں سب سے زیادہ جس چیز کی قدر و قیمت اور اہمیت ہے وہ وقت ہے۔ یہ قیمتی وقت برابر گذرتا رہتا ہے اور ہم میں اس کی طاقت اور قدرت نہیں ہوتی کہ ہم اُسے روک سکیں پھر جو وقت بھی گذر جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا۔ کھویا ہوا مال حاصل کیا جا سکتا ہے گئی ہوئی چیز اپنی جگہ پر آسکتی ہے مگر جو وقت چلا گیا وہ ہمیشہ کے لیئے چلا جاتا ہے وقت تو نہیں رہتا مگر اُس وقت میں ہم جو علم حاصل کرلیں یا جو ہنر

سیکھ لیں یا خدا کی جو کچھ عبادت کریں یا کوئی بھی نیک کام کریں اس کا نتیجہ اور اس کی اچھائی باقی رہ جاتی ہے اسی طرح اگر ہم اس وقت میں کوئی بُرا کام اور گناہ کریں گے تو اس کی برائی بھی باقی رہ جائے گی۔ اس کے بعد اگر ہم چاہیں کہ وہ وقت گیا ہوا پھر سے آجائے اور ہم برائی کے بدلے اُس میں کوئی اچھا کام کرلیں تو یہ بات کبھی ممکن نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر ہم اس بات کو دیکھیں کہ ہمیں سال بھر کا وسیع اور بہت زیادہ وقت کتابیں پڑھنے اور ان کے مضامین کو یاد کرنے کے لئے ملتا ہے اگر ہم اس پھیلے ہوئے وقت کی قدر کریں اور اس کو بے کار نہ گزار دیں بلکہ ہر روز پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ اپنا تعلیمی کام کرتے رہیں اور اس خیال سے فضول کاموں میں اپنا قیمتی وقت برباد نہ کردیا کریں کہ ابھی تو بہت زمانہ پڑا ہے اور امتحان میں کئی مہینے باقی ہیں تو ہم کو امتحان کے قریب کبھی پریشانی نہ اٹھانا پڑے اور راتوں کو جاگ جاگ کر صبح نہ کرنا پڑے۔ ہم وقت کی قدر نہیں کرتے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت ہماری بھی کوئی قدر نہیں کرتا یعنی وہ واپس

نہیں آتا اور ہماری کسی قسم کی مدد نہیں کرتا بلکہ امتحان کے قریب آ جانے سے جب ہم سخت محنت کرتے ہیں راتوں کو جاگتے اور دن کو آرام نہیں کر سکتے - کھانے پینے کا ہوش نہیں باقی رہتا - ایک ایک کی خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ پڑھا دے اور بتا دے اس پریشانی کا بڑا برا اثر ہمارے دماغ پر اور ہماری صحت پر پڑتا ہے - نہ مضامین پوری طرح یاد ہوتے ہیں اور نہ کتابیں سمجھ میں آتی ہیں اور اکثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم امتحان میں بھی فیل ہوتے ہیں اور ہماری صحت اور پیسہ بھی برباد ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم وقت کی قدر نہیں کرتے اور خدا نے جس وقت کو ہمارے پڑھنے لکھنے اور کام کرنے کے لیے بنایا ہے اس کو ہم برباد کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی ہم خدا کی دی ہوئی اس عظیم نعمت سے منہ موڑ کر کفرانِ نعمتِ خداوندی کے گناہ کو بھی عمل میں لاتے ہیں -

خدا نے ہمارے لیے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کا جو کچھ حکم دیا ہے اس میں بھی اوقات کی پابندی اور زمانے کے تعین کا پورا لحاظ ہے اور جہاں ان عبادتوں میں اور بہت سی اچھائیاں

ہیں ساتھ ہی ان سے ہر شخص کو وقت کی قدر و قیمت بھی سکھائی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں خدا فرماتا ہے بے شک ایمان والوں پر نماز کا معین وقتوں میں ادا کرنا فرض ہے (نساء ۱۰۳) اسی طرح روزہ اور دوسری عبادتوں میں وقت کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے حضورؐ سرور کائنات نے فرمایا تھا اے ابوذرؓ تم اس بات سے پہلے کہ تمہارے پاس وقت نہ رہے اور فراغت باقی نہ رہے اپنی فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھو فَاِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اسْمُکَ غَدًا کیونکہ تمہارے پاس تو بس آج ہی کا دن ہے اور کل آنے والا دن تمہارا نہیں ہے پھر اگر کل کا دن تمہارے لیئے نہ آیا یا تم اس میں کوئی کام نہ کر سکے تو تمہیں گئے ہوئے دن پر کوئی افسوس اور شرمندگی نہ ہو گی۔ اے ابوذر بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کسی دن کا انتظار کرتے رہتے ہیں یعنی اپنے کاموں کو اس دن کے لیئے چھوڑ دیتے ہیں مگر ان کے لیئے وہ دن نہیں آتا اور بہت سے آدمی اسکے خیال میں رہتے ہیں کہ کل کا دن آلے تو ہم کام کریں مگر وہ کل کا دن انکے لیئے نہیں آتا غرض وقت کی قدر کرنا ہمارے لیئے ہر کام سے زیادہ ضروری ہے اور ہماری اس موجودہ زندگی میں ہمارا سب سے بڑا دوست صرف ہمارا وقت ہے، اگر ہم بھی اسکے ساتھ محبت اور دوستی کا ثبوت دیں گے یعنی اس سے صحیح طور پر فائدہ حاصل کریں گے تو کامیاب ہونگے اور اگر اسکو برباد کر دینگے تو وقت بھی ہمیں تباہ و برباد کر دیگا۔

۸۶

اُحُد کی لڑائی

جنگ بدر میں قریش کے بڑے بڑے نامور سردار مارے گئے تھے اور بہت سے قید ہوئے تھے اس ذلت اور شکست کی وجہ سے انکے دلوں میں بے انتہا اشتعال اور انتقام کا جوش پیدا ہو گیا تھا آخر مسلمانوں سے انتقام لینے اور ان پر حملہ کرنے کیلئے ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوا جس میں ہر طرح کا جنگی سامان اور تین ہزار مسلح سپاہی تھے۔ یہ لشکر ابوسفیان کی کمان میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور چوتھی شوال ۳ھ بدھ کے روز مدینہ کے قریب آکر ٹھہر گیا۔ اس لشکر کے آنے کی خبر سن کر حضرت نبیؐ کریم نے بھی مسلمانوں کو مقابلہ کی تیاری کا حکم دیا اور جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ آپ مدینہ سے نکلے۔

عبداللہ بن اُبَیّ مشہور منافق اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اس فوج میں موجود تھا مگر بعد میں اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہو گیا تھا۔ اس طرح اب اسلامی لشکر میں سات سو سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ آنحضرتؐ مدینہ سے باہر "احد" پہاڑ کے نزدیک تشریف لائے اور اسے اپنی پشت کی طرف قرار دیکر اپنی فوج کی صفیں درست کیں

احُدُ ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے جو مدینۂ منوّرہ سے شمالی جانب ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اُحد کی لڑائی اسی پہاڑ کے سامنے ہوئی تھی۔

مدینہ کے باہر جا کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جنگ بدر کی طرح اس لڑائی میں بھی جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس بھیج دیا گیا۔ مگر جہاد کا شوق یہ تھا کہ جب رَافعؓ بن خَدیجؓ سے کہا گیا کہ تم سن میں بہت چھوٹے ہو واپس چلے جاؤ تو وہ اپنے انگوٹھے کے بھل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کا قد اونچا نظر آئے آخر اس شوقِ جہاد کو دیکھ کر ان کو فوج میں لے لیا گیا۔ فوج کے پیچھے کی طرف پہاڑ کی ایک گھاٹی تھی اور اس کا پورا امکان تھا کہ دشمن اس طرف سے آکر حملہ کریگا اس لیئے آنحضرتؐ نے اس طرف پچاس تیر اندازوں کے دستے کو مقرر کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ وہ کسی حالت میں بھی اس گھاٹی سے نہ ہٹیں۔ غرض لڑائی شروع ہو گئی۔ قریش کی فوج کا علم دار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے باہر نکلا اور پکار کر کہنے لگا۔ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے جو مجھ کو دوزخ میں جلدی بھیج دے یا خود میرے ہاتھوں جنت میں چلا جائے۔

شیرِ خدا حضرت علیؓ نے بڑھ کر فرمایا وہ میں ہوں یہ کہہ کر تلوار کی ضرب لگائی اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ اسکے بعد اس کا بھائی میدان کی طرف جھپٹا سرورِ کائنات کے چچا حضرت حمزہؓ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا اب گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی حضرت حمزہؓ حضرت

علیؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاری قریش کی فوج پر بے پناہ حملے کر رہے تھے
اسی شدت کی لڑائی میں قریش کی فوج کے ایک حبشی غلام نے جس کا نام وحشی تھا
دھوکے سے حضرت حمزہؓ پر حبشیوں کے ایک خاص ہتھیار کے ساتھ حملہ کر دیا جس سے آپ
شہید ہو گئے۔ غرض حضرت علیؓ اور دوسرے اسلامی بہادروں کے حملوں کی تاب نہ
لا کر قریش کے پیر اکھڑ گئے اور سب کے سب بھاگ گئے یہ دیکھتے ہی مسلمانوں نے ان کا
چھوڑا ہوا مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا گھاٹی کے محافظ تیر اندازوں نے
جب یہ حالت دیکھی تو سوائے چند آدمیوں کے سب وہاں سے ہٹ آئے اور مال غنیمت
کی لوٹ میں شریک ہو گئے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے انھیں وہاں سے ہٹنے کو منع فرما دیا
تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کی بھاگی ہوئی فوج اسی گھاٹی سے پلٹ آئی
اور مسلمانوں پر پیچھے سے غفلت کی حالت میں اچانک حملہ کر دیا۔ قریش
کی اس فوج کی قیادت خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کر رہے تھے
اس حملہ میں حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شہید ہو گئے۔ جو اس وقت لشکر کا
علم اٹھائے ہوئے تھے انکی شہادت پر یہ غلط خبر پھیل گئی کہ آنحضرتؐ شہید ہو
گئے۔ یہ خبر سنتے ہی لوگوں میں سخت گھبراہٹ پیدا ہو گئی اور بڑے بڑے دلیروں
کے قدم اکھڑ گئے لیکن اس پر بھی حضرت علیؓ اور بعض دیگر وفادار جمے رہے
دشمن ہجوم کر کے رسول اللہ پر حملہ کرتا تھا مگر ذوالفقار کی بجلی اس کی صفوں
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی حضرت ابودجانہ سرور کائنات پر جھک کر سپر بن

بن گئے تھے اور جو تیر آتے تھے وہ اُن کی پشت میں اُتر جاتے تھے اس زبردست خوں ریزی کے بعد جب کہ دونوں لشکر بے حال ہو چکے تھے ابو سفیان اپنی فوج کے ساتھ مکہ کی طرف واپس چلا گیا۔

اس لڑائی میں قریش کا بھی بہت جانی اور مالی نقصان ہوا تھا لیکن مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچا اور اس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ کے حکم پر عمل نہیں کیا گیا اور گھاٹی کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا گیا اور شاید اس خیال سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ تیر انداز دستہ کے سپاہی یہ سمجھ رہے تھے کہ قریش کو اب مکمل شکست ہو چکی ہے اور وہ واپس نہیں پلٹیں گے۔ مگر اُن کی یہ سنگین غلطی تھی جس کے نتیجہ میں مسلمان فوج اپنے بہترین بہادروں اور عظیم شخصیتوں سے محروم ہو کر رہ گئی۔

لیکن بہر حال یہ شکست بھی مسلمانوں کی ہمت کو توڑ نہ سکی۔ اُن کے ولولے اور زیادہ بڑھ گئے اور یہ وقتی پسپائی اُن کی دائمی فتح کی بنیاد بن گئی وہ ہمت نہ ہارے اور صبر وضبط اور مستقل مزاجی کیساتھ دین کی حفاظت اور حمایت کرتے رہے آخر خدا نے انھیں عزت عطا کی اور چند ہی روز میں سارا عرب ملک اسلامی پرچم کے نیچے آگیا اور حق کی بلندی کے سامنے کافروں اور مشرکوں کا سارا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔

فتحِ خیبر

عِبرانی زبان میں لفظ خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں مگر عام طور پر "خیبر" اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جہاں یہودیوں کے کئی قلعے تھے۔ یہ مقام مدینہ سے شام کے راستہ پر واقع ہے اور مدینہ سے اسکا فاصلہ آٹھ برید ہے ایک برید بارہ میل کے فاصلے کو کہتے ہیں اس طرح یہ پورا فاصلہ تقریباً ۹۶ میل کا تھا یہ جگہ یہودی فوجی طاقت کا بہت بڑا مرکز بن گئی تھی۔ جب یہودیوں کے سب سے بڑے قبیلہ "بنی نُضیر" کے بہت سے سردار مدینہ سے نکالے گئے تو وہ خیبر ہی میں جاکر آباد ہو گئے تھے اور وہاں جاکر انہوں نے سارے عربوں کو اسلام کی تحریک کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا ان ہی کی کوششوں سے ۵ھ ہجری میں جنگ خندق ہوئی تھی جسمیں عربوں کے تمام قبیلوں نے اجتماعی طاقت سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کیا تھا۔ مگر آخر میں مسلمانوں ہی کی فتح ہوئی تھی اسی جنگِ خندق میں جسے اَحزاب بھی کہتے ہیں قریش کا نامور سردار عمرو بن عبدِ وُدّ عامری شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کی تلوار سے قتل ہوا تھا غرض ۷ھ ہجری کی ابتدا تھی کہ خیبر کی لڑائی کی تیاری شروع ہو گئی خندق کی جنگ کے نتیجہ میں یہودیوں کو اپنی سازش میں ناکام ہو جانے کا بڑا غم تھا اسلیئے انہوں نے اب اپنی کوشش

کو اور تیز کر دیا تھا۔

اس وقت اسلام کے خلاف تمام سازشوں کا بہت بڑا مرکز یہی خیبر کا مقام تھا جہاں کے قلعوں میں یہودیوں کی پوری جنگی طاقت جمع تھی۔ ان لوگوں نے مکہ جاکر قریش میں مسلمانوں کے خلاف بڑی ہی خوفناک سازشیں پھیلا رکھی تھیں اور پھر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ مدینہ کے منافقین ظاہر میں مسلمانوں کے دوست بن کر ساری خبریں یہودیوں تک پہنچا رہے تھے ساتھ ہی انھیں اُبھارتے بھی رہتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر فوراً حملہ کر دیں۔

حضرت رسالتمآب مدینہ سے محرم ۷ھ میں خیبر کیلئے روانہ ہوئے ازواجِ مطہرات میں سے حضرت اُم سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ اس فوج کے تین علم تھے۔ دو علم حضرت حبابؓ بن مُنذر اور سعدؓ بن عُبادہ کو ملے اور خود سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خاص نشان حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو عطا ہوا۔

اس جنگ میں فوج کے ساتھ کچھ عورتیں بھی آ گئی تھیں جب آنحضرتؐ کو اسکی خبر دی گئی تو آپ نے ان عورتوں سے دریافت فرمایا کہ تم کس غرض سے آئی ہو؟ انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہ ہمارے پاس زخمیوں کیلئے دوائیں ہیں جن سے ہم انکا علاج کریں گے۔ اسکے علاوہ ہم تیر اٹھا اٹھا کر لائیں گے اور اپنے مجاہدوں تک پہنچا دینگے۔ سیرت کی بیشتر کتابوں میں لکھا ہے کہ اکثر لڑائیوں میں مستورات بھی لشکر

اسلام کے ساتھ رہا کرتی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور پیاسوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔

خیبر میں سات قلعے تھے اور ان میں یہودیوں کے بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے ان سب قلعوں میں قلعہ قموص سب سے زیادہ محفوظ اور مضبوط قلعہ تھا۔ اور اس کو خیبر کی پوری جنگی طاقت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مرحب جو عرب کا مشہور بہادر تھا اور اسکی قوت ایک ہزار شہسواروں کے برابر مانی جاتی تھی اس قلعہ کا سردار تھا۔

مسلمانوں کی فوج سب سے پہلے قلعہ ناعم کی طرف بڑھی اور وہ آسانی سے قبضہ میں آگیا پھر دوسرے چھوٹے قلعے بھی خالی کر دیئے گئے اور یہودیوں کی ساری فوج سمٹ کر قلعہ قموص میں جمع ہو گئی تاکہ پوری طاقت سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑی جاسکے۔ کئی مرتبہ مسلمانوں نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور پوری طاقت صرف کر دی۔ مگر ہر مرتبہ ناکامی ہوئی اور یہ قلعہ کسی طرح بھی فتح نہ ہو سکا۔ اور مع امیر لشکر کئی بار اسلامی فوج کو فرار کرنا پڑا۔

صحیح بخاری اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں لکھا ہے کہ آخر ایک دن شام کو آنحضرت صلعم نے اعلان فرمایا کہ اب میں کل اس شخص کو علم دونگا جسکے ہاتھ پر اللہ فتح دیگا اور وہ قلعہ کو بغیر فتح کیئے نہیں پلٹے گا جو خدا اور اسکے رسول صلعم سے محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ میدان سے کبھی فرار نہیں کرتا۔

آخر صبح ہوئی تو سرور کائنات نے حضرت علی مرتضیٰ کو طلب کیا آپ کی آنکھیں

میں آشوب کی تکلیف تھی اور سب کو معلوم تھا کہ جب شیرِ خدا علیؑ کی آنکھیں دکھ رہی ہیں تو وہ جنگ نہیں کر سکتے مگر آنحضرتؐ نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا اور اعجازِ نبوّت سے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی آنکھوں کی تکلیف فوراً دور ہو گئی اور آپ قلعۂ خیبر کو فتح کرنے کے لئے فوج لیکر روانہ ہو گئے۔ جاتے ہی قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کئی بڑے بڑے سردار قتل کئے اور آخر میں مرحب بھی حضرت حیدرِ کرارؑ کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ قلعۂ قموص جس میں یہودیوں کی پوری جنگی قوت جمع تھی ضربِ یداللّٰہی کی تاب نہ لاکر فتح ہو گیا۔ اس قلعہ کا بیس روز تک محاصرہ جاری رہا تھا۔

جنگِ خیبر ماہِ صفر ۷ھ کے آخر میں مسلمانوں کی عظیم فتح پر ختم ہوئی تھی اور اسی کامیابی کی وجہ سے قریش اور یہودیوں کی سازشوں کے سارے جال جو انہوں نے اسلام کے خلاف پھیلا رکھے تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔

اسلام کی دوسری بڑی بڑی لڑائیوں کی طرح اس عظیم لڑائی میں بھی فتح کا سہرا حضرت علیؑ شیرِ خدا ہی کے سر رہا اور آپ ہی کو صحیح مسلم اور مستدرک امام حاکم اور دوسری حدیث و سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں فاتحِ خیبر لکھا گیا ہے یہ حضرت حیدرِ کرارؑ کی شجاعت و بہادری کا وہ بے مثال کارنامہ تھا جس کی وجہ سے سارے ملکِ عرب پر مسلمانوں کی ہیبت کا سکہ جم گیا اور قریش اور یہودیوں کے اسلام کی مخالفت میں سارے ہی منصوبے خاک میں مل کر رہ گئے۔

۴۸۶

جنگِ بدر

"بدر" ایک مشہور جگہ کا نام ہے جو مدینہ منوّرہ سے اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہ جگہ اس وجہ سے بہت مشہور ہو گئی ہے کہ یہاں مسلمانوں اور مکّہ کے مشرکوں کے درمیان ایک بڑی لڑائی ہوئی تھی یوں تو حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی ہجرت کے بعد ہی سے اہل مکّہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کے قریب گشت لگایا کرتی تھیں لیکن جنگ بدر سے پیشتر کسی بڑی لڑائی کی نوبت نہ آئی تھی یہاں تک کہ ہجرت کا دوسرا سال بھی آگیا۔ اب مشرکوں کی کارروائیاں بہت تیز ہو چکی تھیں۔ سب جانتے ہیں کہ لڑائی کے لیے صرف آدمیوں ہی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ سرمایہ کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے جس سے لڑائی کا سامان اور اسلحہ خریدا جا سکے۔ اور جنگ کی دوسری ضرورتیں بھی پوری کی جا سکیں اس لیے قریش مکّہ نے شام کے ملک کی طرف ایک بڑا قافلہ روانہ کیا تاکہ تجارت سے جو نفع حاصل ہو وہ سب کا سب مسلمانوں سے جنگ کرنے میں لگا دیا جائے۔ ان لوگوں میں مسلمانوں سے لڑنے کا اتنا جوش تھا کہ مکّہ کی تمام آبادی میں سے ہر ایک نے اپنا سرمایہ اس قافلہ کے حوالہ کر دیا تھا۔ غرض ابوسفیان کی سرداری میں

یہ قافلہ شام کی طرف روانہ ہوگیا اور ابھی یہ وہیں موجود تھا اور واپس نہ ہوا تھا کہ مکہ کے لوگوں میں یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ مدینہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت اس قافلہ کو لوٹنے کے لیئے آرہی ہے یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہئیے کہ مدینہ شام اور مکہ کے راستہ میں ہے بس اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ قریش کے غصہ کی آگ اور تیز ہو گئی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جلدی جلدی فوج تیار ہونے لگی۔ آنحضرتؐ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تمام صحابہؓ کرام کو جمع کیا اور ان واقعات سب کو آگاہ کیا یہ باتیں معلوم کر کے مسلمانوں میں بھی بے انتہا جوشِ جہاد پیدا ہو گیا مگر ان کی تعداد بھی بہت تھوڑی تھی اور ان کے پاس نہ تو سرمایہ تھا اور نہ لڑائی کیلئے اسلحہ اور دوسرا ضروری سامان موجود تھا۔

مکہ سے قریش ایک بھاری فوج لے کر مدینہ کی طرف چل چکے تھے جس میں اُن کے تقریباً سارے ہی سردار موجود تھے۔ ادھر ۱۲ ماہ رمضان ۲ھ کو آنحضرتؐ بھی مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کے ہمراہ مدینہ سے باہر روانہ ہوئے۔ ایک میل چل کر آپ نے لشکر کی جانچ کی۔ جو چھوٹی عمر کے تھے اُن کو واپس کر دیا گیا اور بڑی عمر والے روک لیئے گئے اور انھیں لڑائی میں شرکت کی اجازت عطا ہوئی عُمیر بن ابی وقاص بہت کم سن تھے جب اس بچہ سے واپسی کے لیئے کہا گیا تو یہ رونے لگے۔ کیونکہ یہ جنگ

میں شریک ہونے کے لیئے بے چین تھے۔ آخر ان کی بے چینی دیکھ کر نبی کریم نے ان کو جہاد کی اجازت عطا فرمائی۔ اب ان کو شامل کر کے اسلامی فوج کی کُل تعداد ۳۱۳ ہوگئی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ ۱۷ رمضان کو یہ بے سرو سامان چھوٹی سی فوج بدر کے قریب پہنچ گئی۔ یہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ یہ عجیب وقت تھا اتنی بڑی دنیا میں توحید کا پیغام صرف چند انسانوں میں منحصر تھا جو بدر کے میدان میں اللہ کی عظمت کا اعلان کرنے کیلیئے جمع ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کرام کا جوش جہاد برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر لڑائی کا آغاز ہو گیا

قریش کا مشہور سردار عُتبہ اپنے بھائی شَیبہ اور بیٹے وَلید کے ساتھ میدان میں نکلا۔ ان کے مقابلہ کے لیئے انصار کے تین نامور آدمی سامنے آئے۔ مگر عُتبہ وغیرہ نے اُن کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ہمارے ہمسر اور برابر کے نہیں ہیں آخر آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اُن سے لڑنے کیلیئے حضرت حمزہؓ، امیر المومنین حضرت علیؑ اور حضرت عُبیدہؓ بن حرث بن مُطّلب بن عبد مناف میدان میں آئے۔

حضرت حمزہؓ سے عُتبہ کی اور حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ سے ولید کی جنگ شروع ہوئی اور نتیجہ میں عُتبہ اور ولید دونوں مارے گئے شَیبہ اور حضرت عُبیدہؓ کی لڑائی میں عُبیدہؓ بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے

یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو کاندھے پر اٹھا کر سرورِ کائنات کی خدمت میں لے آئے۔ بعد میں ان ہی زخموں کی وجہ سے حضرت عُبیدہؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

غرض جب ایک ایک کا مقابلہ ختم ہوا تو پھر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی آخر مسلمانوں کے عزم اور شجاعت کے سامنے مشرکوں کی اتنی بڑی فوج نہ ٹھہر سکی اُن کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستّر آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ یہ عظیم فتح مسلمانوں کو اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ ان میں سچائی کی طاقت تھی، ان کا ایمان پختہ تھا اور انہیں خدا پر کامل یقین تھا اور وہ عمل اور کردار کے مسلمان تھے۔ فقط نام کے مسلمان نہ تھے۔ اگر اس لڑائی میں حضرت امیرؑ کی بے مثل و نظیر شجاعت کے جوہر نہ کھلتے اور وہ بہادر مسلمان عزم و استقلال اور اتحاد و یک جہتی سے کام نہ لیتے تو آج مسلمانوں کا نام بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہ ہوتا۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۵ھ

خندق کی جنگ

جنگِ خندق کو جنگ اُحزاب بھی کہتے ہیں یہ حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ یا جماعت کے ہیں تو اب اَحزاب کے معنی ہوئے بہت سے گروہ یا بہت سی جماعتیں چونکہ اس لڑائی میں اسلام کے خلاف تمام عرب قبیلے شریک تھے اس لیئے اس کو یہ نام دیا گیا اور اس سبب سے کہ اس لڑائی میں خندق کھود کر مسلمانوں نے اپنا بچاؤ کیا تھا تو اسے جنگِ خندق کہنے لگے۔

غرض قریش کے تمام قبیلے اور دوسرے عرب اور یہودی قبائل آپس میں مل گئے اور دس ہزار سپاہیوں کی ایک زبردست فوج تیار ہوئی تاکہ مدینہ پر بھرپور حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا جائے اور دنیا سے اسلام کا نام مٹ جائے مدینہ میں تین طرف مکانوں اور کھجور کے باغوں کی قطاریں تھیں اس لیئے ادھر سے شہر میں دشمن کے آنے کا خطرہ نہ تھا صرف ایک طرف سے ڈر تھا تو حفاظت کی غرض سے اس طرف خندق کھودی گئی عربوں میں لڑائی کے لیئے خندق کھودنے کا یہ پہلا واقعہ تھا درحقیقت یہ ایرانی طریقہ جنگ تھا جس سے عرب لوگ واقف نہ تھے۔ غرض آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق

خندق کھودی گئی اور خود آپ بھی بہ نفسِ نفیس خندق کھودنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ یہ ذی قعدہ ۵ھ کی آٹھ تاریخ تھی جب تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ اس فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے آنحضرتؐ شہر کے باہر تشریف لائے تھے۔

قریش یہود اور عرب قبیلوں کی یہ زبردست فوج شہر کے سامنے آ گئی۔ مگر خندق کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس مجبوری کی وجہ سے دشمنوں نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر برسانا شروع کیے۔ حضرت پیغمبرِ اسلام نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں مقرر کر دی تھیں جو دشمنوں کے ان حملوں کا مقابلہ کر رہی تھیں یہ محاصرہ یعنی دشمن نے شہر کے گرد جو گھیرا ڈال رکھا تھا وہ ایک مہینہ کے قریب جاری رہا۔

اس محاصرہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر اقتصادی اور معاشی تکلیفیں بے انتہا بڑھ گئی تھیں کیونکہ چاروں طرف سے مدینہ باہر کی آبادی سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ اور خود آنحضرتؐ پر کئی کئی فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔ مگر کسی مسلمان میں بے صبری اور گھبراہٹ اور مایوسی نہیں پیدا ہوئی۔ آخر دشمن فوج کے کئی مشہور سردار آگے بڑھے اور ایک ایسی جگہ پر آئے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی گھوڑوں کو ایڑ دی اور وہ جست کر کے خندق کے پار آ گئے۔ خندق کے اس طرف آنے والے سب ہی دشمن لشکر

کے مشہور سردار تھے مگر ان میں عمروؓ بن عبدِ وَدّ اپنی قوت اور بہادری کے لحاظ سے ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اُس نے سب سے آگے بڑھ کر مسلمانوں سے کئی مرتبہ اپنا مقابل طلب کیا اُسکی ہر آواز پر شیرِ خدا حضرت امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب اٹھے مگر سرورِ کائنات کے حکم سے بیٹھ گئے آخر اجازت ملی۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی اور سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو گھوڑے پر تھا اور حضرت علیؓ پیدل تھے۔ مگر پھر وہ بھی اتر آیا اور تلوار کے ایک ہی وار میں اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اُس نے آپ کا نام دریافت کیا جب نام معلوم ہوا تو کہنے لگا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا حضرت علیؓ نے جواب دیا مگر میں تم سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر اسے بے حد غصہ آگیا اور پوری قوت سے تلوار کا وار کیا۔ شیرِ خدا نے سپر پر روکا مگر تلوار سپر میں اتر کر پیشانی پر لگی اور ہلکا سا زخم آگیا۔ اسکے بعد آپ نے ذوالفقار اٹھائی اور ضرب لگائی۔ تلوار عمرو کے شانہ کو کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی آپ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی اور فتح کا اعلان ہو گیا اُسکے دوسرے ساتھی شیرِ خدا کے حملوں سے ڈر کر بھاگ گئے یا قتل ہو گئے۔ یہ حملہ کا دن بڑا سخت تھا تمام دن لڑائی رہی دشمن ہر طرف سے تیر اور پتھر پھینک رہے تھے اور ایک منٹ کیلئے بھی یہ سلسلہ نہیں رکتا تھا آخر جب محاصرہ کو بہت طول ہو گیا اور کافروں نے دیکھا کہ مسلمان کسی طرح ہمت نہیں ہارتے تو خود دشمن فوج کی ہمت ٹوٹنے لگی کیونکہ دس ہزار آدمیوں کو

عرصہ تک رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر سخت سردی بھی پڑ رہی تھی اور ساتھ ہی بے انتہا ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگی اور طوفان آگیا۔ خیمے اکھڑ گئے کھانے کے بڑے بڑے برتن الٹ گئے۔ ہر طرف سردی نے پورے لشکر پر ایک مصیبت ڈھادی غرض محاصرہ کا طولانی ہونا ٹھنڈی ہوا کا طوفان، غلہ وغیرہ کی کمی اور قریش سے یہود کی غداری اور وعدہ خلافی یہ سب باتیں جمع ہو گئی تھیں۔ اور ساتھ ہی عمرو بن عبد وَدّ اور دوسرے نامور سرداروں کا قتل ہو جانا ان کی ہمتیں توڑنے کے لئے بالکل کافی تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش کی فوج کے پیر اکھڑ گئے ابو سفیان نے کہا رسد ختم ہو چکی ہے، موسم کا یہ حال ہے یہودی فوج نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اس لئے اب یہاں ٹھہرنا بے کار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعدؓ بن مُعاذ جو قبیلہ اَدس کے سردار تھے ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر زندہ نہ رہ سکے۔

جنگ خندق بھی اسلام کی دوسری جنگوں کی طرح مسلمانوں کی تنظیم، صبر، خدا پر توکّل، آپس کے اتحاد اور عزمِ محکم کی ایک بلند ترین مثال تھی۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

مختلف ملکوں کے فرماں رواؤں کے

نام اسلام کی دعوت

حُدیبیہ کی صلح کی وجہ سے جو مسلمان اور کفارِ مکہ کے درمیان ۶ھ کے آخر میں ہوئی تھی مسلمانوں کو اطمینان کی سانس لینے کا کچھ موقع حاصل ہو گیا تھا اس لیے محرم ۷ھ ہجری کے شروع ہوتے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور علستان کے امیروں اور سرداروں کے نام خطوط بھیجنا شروع کر دیئے جن میں آپ نے انھیں مسلمان ہو جانے کی دعوت دی تھی اور اپنے چند اصحابؓ کو یہ خطوط دے کر چاروں طرف روانہ فرما دیا۔ اسلام کے ان سفیروں کی روانگی سے پہلے حضرت نبی کریمؐ نے ایک روز تمام اصحابؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا جب سب کے سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے خطبہ ارشاد کیا اور فرمایا اللہ نے مجھ کو تمام عالم کے لیئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح آپس میں اختلاف نہ کرنا جاؤ میری طرف سے لوگوں کو حق اور سچائی کا پیغام پہنچاؤ۔ علاوہ

اور خطوط کے جو دوسرے اوقات پر روانہ کیئے گئے سرف ۶ ہجری کے ایک ہی روز میں چھ بادشاہوں اور امیروں کے نام خط روانہ ہوئے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ حبش کا بادشاہ نجاشی جسکا اصلی نام موّرخوں نے اُصحمہ لکھا ہے۔ دوسرے خُسرو پرویز شہنشاہ ایران۔ ان کے علاوہ مشرقی مملکت رُوم کے شہنشاہ ہرقل کو بھی آپنے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا اور شہنشاہ کی طرف سے جو شخص مصر کا حاکم تھا یعنی مُقوقس۔ اسکو بھی تحریر فرمایا۔ ایک خط آپنے حارث بن ابی شِمر غسانی کو لکھا جو شام کے بعض علاقوں کا حاکم اور رئیس تھا اور ایک خط ھوزہ حنفی کو بھیجا جو عربستان کے درمیانی علاقہ یمامہ کا فرماں روا تھا۔ ان سب خطوط میں سرور انبیاء نے اسلام کی خوبیاں اچھی طرح بیان فرمادی تھیں اور ان سب لوگوں کو دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اسطرح اس حقیقت کو بھی صاف کر دیا تھا کہ اسلام جس طرح غریبوں اور عام لوگوں کے لیئے نجات کا پیغام ہے اسی طرح امیروں اور بادشاہوں کے لیئے بھلائی اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔

اب میں آپ کو نبی کریم کے کچھ خطوں کا مضمون بتاتا ہوں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسلام کے پھیلانے اور حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے خطرے

کی پروا نہیں کی اور اُن لوگوں کو بھی ٹوکنے اور ان کی ہدایت کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جو دنیاوی حیثیت سے بڑے اقتدار اور عظیم طاقت کے مالک تھے۔

چنانچہ آپ نے شہنشاہ رُوم ہرقل کو لکھا تھا۔ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمہیں سلامتی اور نجات حاصل ہوگی اور اللہ تمہیں دگنا ثواب عطا فرمائے گا لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو صرف تمہارے گناہ کا بوجھ ہی تم پر نہ ہوگا بلکہ تمہارے ملک کے لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی تم پر آجائے گا کیونکہ تم ان سب کے ذمہ دار ہو۔ اے اہل کتاب تم ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں ایک طرح پر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے سوا دوسرے کو خدا نہ سمجھیں۔ شہنشاہ نے سرور کونین کے حالات معلوم کرکے اور اسلام کی تعلیم کو سن کر کہا تھا "مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ خیر! اگر میں جا سکتا تو خود اُن کے پیروں کو دھونے کی عزت حاصل کرتا"۔

شہنشاہ ایران خُسرُو پرویز کو جو خط آنحضرتؐ نے بھیجا تھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ "اُس شخص پر سلام ہو جو ہدایت حاصل کرے اور

خدا اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور اس کی گواہی دے کہ خدا صرف ایک ہے اور اس کی بھی گواہی دے کہ خدا نے مجھ کو تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے۔ تم اسلام کو قبول کر لو تو سلامتی اور نجات پاؤ گے ورنہ مجوسیوں کے گناہوں اور ان کی گمراہی کا وبال بھی تمہاری گردن پر پڑے گا۔ خسرو اُس جاہ و جلال کا مالک تھا جو بہت ہی کم بادشاہوں کو نصیب ہو سکا ہے۔ بس اُس نے یہ خط پڑھتے ہی غصّہ کے مارے اس کو پھاڑ ڈالا۔ مگر اس بے ادبی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے بعد خود اس کی سلطنت کے پرزے اُڑ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی شخص میں سچائی نہیں ہوتی تو وہ لالچ اور خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن جسے اپنی سچائی کا یقین ہوتا ہے تو وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

٨٦ء

ليلة القدر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۭ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ڏ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۭ تَنَزَّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ.

(ترجمہ) بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور تم کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح (یعنی جبرئیل) ہر کام کو لے کر اپنے پروردگار کی اجازت سے اترتے ہیں یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سراپا امان ہے۔

شب قدر کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم نے اس سورۂ مبارکہ میں اس رات کو ایک ہزار مہینوں سے افضل فرمایا ہے یعنی اگر ایک ہزار مہینے ایسے گذریں جن میں شبِ قدر نہ ہو اور ان مہینوں میں کوئی عبادت کرتا رہے تو جو ثواب اسے ملیگا اس سے زیادہ ثواب ایک رات کی عبادت کا ہے۔

اس امر میں بہت سے اقوال ہیں کہ شبِ قدر کون سی رات ہے اور کس مہینے کی رات مراد ہے مگر زیادہ تر علماء یہی فرماتے ہیں کہ یہ مبارک رات رمضان کے مہینے میں ہے اور اس بات کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ قرآن کو رمضان میں اتارا گیا ہے اس لیئے جب ہم یہ دونوں آیتیں ملائیں گے جن کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو ماہ رمضان میں نازل کیا گیا اور اس کو شبِ قدر میں اتارا گیا تو نتیجہ یہ معلوم ہوگا کہ شبِ قدر رمضان ہی میں ہے۔ غرض اس شب میں عبادت کرنے کا بے حد ثواب ہے۔ ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص شبِ قدر میں ایمانداری اور خلوص کے ساتھ خدا کی عبادت کرے تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ اطمینان سے

گناہ کرتے رہیں اور یہ سمجھ لیں کہ جب شبِ قدر آئے گی تو سب گناہ بخشوالیں گے ۔ درحقیقت گناہ اُن کے بخشے جائیں گے جو اپنے گناہوں پر دل سے نادم اور پشیمان ہوں اور یہ طے کرلیں کہ آئندہ کوئی گناہ نہ کریں گے غرض یہ وہ رات ہے جس کی برکت کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام دوسرے فرشتوں کے ساتھ ہر برکت اور رحمت لے کر اترتے ہیں ۔

اس بات میں بھی مفسروں کے بہت سے قول ہیں کہ شبِ قدر ماہ رمضان کی کس رات کا نام ہے لیکن زیادہ لوگ اسی کے قائل ہیں کہ یہ رات ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں ہے ۔

اور یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، یا انتیسویں راتوں میں سے کوئی ایک رات مراد ہے ۔ کچھ لوگ ستائیسویں رمضان کو شبِ قدر کہتے ہیں ۔

غرض اصلی شبِ قدر کو ان راتوں میں پوشیدہ کردیا گیا ہے تاکہ لوگ اس شب کی عظیم فضیلت اور ثواب کو حاصل

کرنے کے لیے ہر شب میں عبادت کرتے رہیں اور زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ہمیں اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ جن راتوں کے شب قدر ہونے کا احتمال ہو ان سب ہی میں خدا کی عبادت کریں تاکہ ہم کو وہ ثواب عظیم حاصل ہو جو خدا نے اپنے کرم سے اس شب کے عبادت گزاروں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

رسول اللہ ﷺ

کی

مکہ میں فاتحانہ تشریف آوری

معاہدۂ حُدَیبیہ دس سال کی مدت کے لیے ہوا تھا لیکن قریش کی طرف سے اس کی سخت خلاف ورزی کی گئی جب کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدہ کی پابندی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی قریش کی طرف سے اس کی خلاف ورزی کا سلسلہ کچھ ہی زمانہ کے بعد شروع کر دیا گیا تھا اور جن قبیلوں سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات تھے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جانے لگے آخر ان شرارتوں سے مجبور ہو کر آنحضرت ؐ نے اس معاہدہ کی منسوخی کا اعلان فرما دیا اور دسویں ماہ رمضان ۸ھ کو ایک بڑا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں دس ہزار مسلح سپاہی تھے۔ جب حضورؐ کی سواری مقام مَرُّ الظَّہران پہنچی تو آپ وہاں ٹھہر گئے اور دور دور تک فوج پھیل گئی یہ جگہ مکہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے رات کے وقت آنحضرتؐ کے حکم سے

فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس کی وجہ سے تمام صحرا جگمگانے لگا۔ اس فوج کے آنے کی بھنک مکہ والوں کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی پوری تحقیق کے لیے قریش نے ابوسفیان کے ساتھ چند آدمیوں کو روانہ کیا۔ اسلامی فوج کا ہر سپاہی اُن باتوں سے پوری طرح باخبر تھا جو ابوسفیان نے اب تک اسلام اور رسولؐ اسلام کی مخالفت اور دشمنی میں کی تھیں تو نظر پڑتے ہی اسے گرفتار کر لیا گیا اور آنحضرتؐ کے پاس حاضر کیا گیا مگر جب اس نے کلمۂ اسلام پڑھا تو اس کی جان بخشدی گئی اس کے بعد اسلامی فوج مکہ کی طرف روانہ ہو گی حضرت نبیؐ کریم کے حکم سے ابوسفیان کو فوج کے راستہ میں ایک پہاڑ پر لے جا کر کھڑا کر دیا گیا تا کہ وہ فوج اسلام کا جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے چنانچہ فوجی دستے گزرنے لگے اور ابوسفیان اس شان و شوکت کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا۔

سب کے آخر میں حضرت خاتم المرسلینؐ کی سواری آئی جس کے رعب و جلال کی کوئی حد نہ تھی۔ مکہ پہنچ کر حضورؐ نے حکم دیا کہ علم اسلام مقام حجون میں نصب کر دیا جائے۔ خالد بن ولید مسلمان ہو چکے تھے اور اس لشکر میں موجود تھے وہ اپنے فوجی دستہ کے ساتھ مکہ کے اونچے حصہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ مکہ والوں سے کچھ

تھوڑی لڑائی بھی ہوئی مگر اہل مکہ مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے اور سب کے سب بھاگ گئے۔ مسلمانوں میں اس لڑائی میں کرزؓ بن جابر فہری، جیشؓ بن اشعر اور سلمہ بن المیلاء الجھنیؓ شہید ہوئے۔ مشرکینِ مکہ میں سے بہت سے آدمی مارے گئے مگر یہ لڑائی حضور نبی کریم کی مرضی اور حکم کے خلاف تھی کیونکہ آپ اہل مکہ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے بالآخر سردار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا کہ خانہ کعبہ میں بہت سے بت ہیں اور اس کے باہر دیوار پر بھی طرح طرح کے بت جڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اس کام میں شریک رہے جو بت بلندی پر تھے انھیں توڑنے کے لیے حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے دوش مبارک پر بلند کیا اور اس طرح خود آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ نے ملکر اس کام کو انجام دیا اُس وقت آپ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرما رہے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی"۔ پھر حضرت بلالؓ کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے۔ نماز پڑھی اور دعا کی۔ اذان دی جسے ہزاروں مشرکین نے سنا جو کعبہ کے باہر جمع تھے اور جنھیں یقین تھا کہ اب اس عظیم فتح کے بعد ہمارے قتل کا

حکم جاری ہو گا۔ لیکن رسولِ رحمت کوئی دنیاوی بادشاہ تو نہ تھے جو اپنے جذبات کی تسکین کے لیئے لوگوں کا خون بہاتے آپ خانہ کعبہ کے دروازہ پر تشریف لائے اور مشرکینِ مکہ کے اجتماعِ عظیم سے خطاب فرمایا:۔

ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اس خطبہ میں آپ نے فرمایا اے قومِ قریش اب ایامِ جاہلیت یعنی اسلام سے پہلے کے زمانہ کا غرور اور حسب و نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی آیت پڑھی جس میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

ماہ رمضان ۸ھ ہجری کی بیسویں تاریخ مکہ فتح ہوا تھا اور اس فتح کے بعد سرورِ کائنات سے یہ عظیم خطبہ دنیا والوں نے سنا تھا اور یہ بات پہلی مرتبہ عرب کے سرکش سرداروں کو معلوم ہوئی تھی کہ حقیقی عزت نہ تو دولت اور حکومت سے ہے اور نہ خاندان یا لشکر سے حاصل ہوتی ہے بلکہ خدا کے نزدیک عزت والا وہی آدمی ہے جس کا عمل اور کردار اچھا ہو۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۸۶

خوفِ الٰہی

ہر چھوٹا اپنے بزرگ سے ڈرتا ہے۔ ہر محکوم اپنے حاکم سے خوف کرتا ہے۔ اور ہر کمزور اپنے سے زیادہ قوت رکھنے والے اور زیادہ اختیار رکھنے والے سے ڈرتا رہتا ہے کہ اس کے خلاف اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے وہ ناراض ہو جائے۔ بے شک اللہ تو سب ہی سے بڑا ہے سب سے زیادہ قوت والا ہے اور ہماری اور ساری کائنات کی زندگی کا مالک ہے اور اُسے ہر چیز پر اختیار و اقتدار حاصل ہے اُس کی سلطنت سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی اور پھر وہ دلوں کے اندر کی تمام باتیں بھی جانتا ہے کیونکہ

ہمارا اعتقاد و یقین ہے کہ اللہ سمیع و بصیر ہے اور علیم و خبیر ہے یعنی وہ ہر بات کو سنتا ہے، ہر شئے کو دیکھتا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ ہماری کوئی بات کوئی راز اور کوئی بھید اُس کی ذات سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

اگر یہ ہمارا اعتقاد نہ ہو تو پھر ہم مسلمان ہی کیونکر ہو سکتے ہیں تو پھر ایسی صورت میں کہ اللہ نے ہمیں کچھ حکم دیئے ہیں اور ہماری زندگی سے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ وہ پسند کرتا ہے اور کچھ باتوں کو پسند نہیں کرتا، ہمارے لیئے ضروری ہے کہ ہم اُس کی مرضی اور اُس کے حکم کو قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات اور ہدایات کے ذریعہ سے معلوم کریں اور اس پر عمل کریں اور اس سے ڈریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا ہمارے اس عمل کی وجہ سے ہم سے ناراض ہو جائے جو اُس کے حکم کے خلاف ہے۔ اور وہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

لوگوں نے یہ سنا ہوگا کہ بڑے بڑے نبی اور رسول خدا کے خوف سے ہمیشہ رویا کرتے تھے حالانکہ ان کے عمل کیسے اچھے تھے وہ گناہوں سے پاک تھے اور ہمیشہ اللہ کی مرضی پر چلتے

رہتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں اس قدر خوفِ خدا رہتا تھا تو پھر ہمیں اس کا خوف کتنا ہونا چاہیئے جب کہ ہمارے عمل خدا کے ان بندوں کے اعمال کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

قرآنِ کریم میں اللہ کا ارشاد ہے۔ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۃ توبہ آیۃ ۱۳) یعنی اگر تم سچے ایماندار ہو تو خدا سب سے زیادہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے خوف کرو پھر سورۃ نور ۵۲ میں اللہ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یعنی جو شخص خدا اور اُس کے رسولؐ کے حکم مانے اور خدا سے ڈرے اور اُس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

ہم سب مسلمانوں کا اس پر یقین ہے کہ حضرت سرورِ انبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سب نبیوںؑ اور رسولوں سے افضل ہیں اور ساری کائنات میں آپ کے برابر کسی مخلوق کا مرتبہ نہیں ہوسکتا اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ آپ ہی کی ذاتِ اقدس محبوب اور پیاری ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ کا

یہ عالم تھا کہ راتوں کے سنّاٹے میں خدا کے خوف سے پہروں رویا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم کو ہنسی کم آتی اور رونا زیادہ آتا۔ ایک بار حضورؐ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جارہی تھی۔ آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور خدا کے خوف سے روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین بھیگ گئی، پھر فرمایا:۔ بھائیو! اس دن کے لیئے سامان کر رکھو۔ بے شک اللہ سے ڈرنا مسلمانوں کی زندگی کی سب سے بڑی علامت ہے اور اُس سے ڈرنا یہی ہے کہ ہم اُس کے حکم پر عمل کریں اور نافرمانی نہ کریں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجاسکتی ہے

۷۸۶

ایثار و قناعت

کسے کہتے ہیں

ایثار اور قناعت دو الگ لفظ ہیں اور ان میں ہر ایک کے معنی بھی الگ ہیں۔ ایثار اس بات کا نام ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم کر دیا جائے اور ان کی راحت و آرام کو اپنی راحت پر ترجیح دی جائے یہ بڑی اعلیٰ صفت ہے اور ایسا انسان جس میں یہ صفت پائی جائے دنیا میں بھی بڑی عزت کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور خدا کے نزدیک بھی اس کا بڑا مرتبہ ہے قرآن کریم میں اُن لوگوں کے ایمان کی بڑی تعریف فرمائی گئی ہے جو ایثار کرتے ہیں اور دوسروں کی راحت کے لیئے خود تکلیف اُٹھاتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو کامیاب کہا گیا ہے۔ دیکھو قرآن

عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (سورۂ حشر ۹) یعنی وہ لوگ
ایسے ہیں جو خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو اپنی ذات پر مقدم
کر دیتے ہیں اگر یہ صفت سب لوگوں میں پیدا ہو جائے تو پھر کبھی
کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا اور پورا انسانی معاشرہ بڑے آرام اور
اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے انسانی معاشرے میں
بربادیاں اس وجہ سے بھی آتی ہیں کہ ہر ایک صرف اپنے ہی فائدے
کی فکر میں رہتا ہے اور دوسرے انسانی بھائی کے فائدے کے لئے
کبھی نہیں سوچتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم پستی اور تباہ حالی
میں پھنسی رہتی ہے اور آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ہجرت کے وقت جب
حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے صحابہ کرام
مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ کے مسلمانوں نے ان مہاجر اہل ایمان
کو اپنے سگے بھائیوں سے زیادہ سمجھا انھیں اپنی زمینیں، مکان
دیئے اور اپنی تجارتوں میں شریک کر لیا اور ان مہاجروں کو آرام
پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جس کی وجہ سے آپس کا اتحاد و اتفاق
بے انتہا بڑھ گیا اور یہ اسی اتحاد و اتفاق ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے
بڑے خطرناک اور طاقتور دشمن بھی اُن کو نقصان نہ پہنچا سکے اور
شکست نہ دے سکے کیونکہ وہ سب آپس میں متحد تھے اور ہر ایک

مسلمان اپنے دوسرے اسلامی بھائی کی زندگی اور اس کی راحت کو اپنی زندگی اور اپنی راحت پر مقدم رکھتا تھا۔ ان میں نہ تو نسل کا کوئی فرق تھا نہ رنگ و زبان کا امتیاز تھا اور نہ مقامی اور مہاجر کی کوئی تفریق تھی۔ سب مسلمان تھے، مؤمن تھے اور اپنے ایمانی رشتہ کو خاندانی رشتوں سے بہت زیادہ بلند سمجھتے تھے اور بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ آج کے مسلمان اُن پہلے سچے اور پکے مسلمانوں کے ایثار و قربانی ہی کی وجہ سے زندہ اور باقی ہیں ورنہ اگر اُن میں بھی نفسی نفسی ہوتی یعنی ہر ایک اپنا ہی فائدہ چاہتا تو آج ہم شاید دنیا میں آہی نہ سکتے۔

ایثار کی اعلیٰ صفت کے علاوہ ایک دوسری بلند صفت جس سے ہر انسان پورے سکون اور آرام سے زندگی بسر کر سکتا ہے، قناعت ہے یہ اس بات کو کہتے ہیں کہ آدمی اُس چیز کو اپنے لیئے کافی سمجھے جس کی اُس کو واقعی ضرورت اور حاجت ہو اور فضول چیزوں کے حاصل کرنے میں اپنا وقت نہ گنوائے۔

آپ اس کو ضرور جانتے ہیں کہ انسان کی ہوس کسی حد پر نہیں ٹھہرتی۔ مال و دولت، رہائش، غذا اور دوسری چیزوں میں ہر وقت طبیعت یہی چاہتی ہے کہ کچھ اور ملے۔ خواہش کا یہ سلسلہ

کسی مقام پر نہیں رکتا تو اگر آدمی اپنی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہے تو اس کی ساری زندگی اسی فکر میں لگی رہے گی اور کبھی اس کو سکون اور دماغی آرام نصیب نہ ہو سکے گا پھر جب اس کی ہوس کم نہ ہوگی تو اپنی خواہش کو پورا کرنے میں وہ ہر جائز اور ناجائز کام کرنے سے گریز نہ کرے گا اور کسی کا مال غصب کرنے میں اس کو ستانے میں اس پر ظلم کرنے میں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے میں اور اس کو دکھ پہنچانے میں بھی اس کو کوئی تامّل اور ہچکچاہٹ نہ ہوگی پھر اس کے نتیجے میں آپس کے جھگڑے پیدا ہوں گے اور پورا انسانی معاشرہ اس کے برے نتیجوں کی لپیٹ میں آجائے گا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ آج کے انسانی معاشرہ کی بہت سی تباہیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ لوگ حرص و طمع اور لالچ میں مبتلا ہیں اور قناعتِ اسلامی کا سبق بھول گئے ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قناعت بے عملی نہیں سکھاتی بلکہ انسان کی عملی قوت کو فضول چیزوں میں صرف کرنے سے روکتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ قناعت ایسی سلطنت ہے جسے کبھی زوال نہیں ہوتا۔

شکست خوردہ لوگوں کے ساتھ کس طرح

برتاؤ کیا جائے

دشمن پر قابو پا کر اس کو معاف کر دینا اور اس پر رحم کرنا بہت مشکل کام ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو فتح نصیب ہوتی ہے تو وہ اپنے دشمنوں سے جی بھر کر انتقام لیتا ہے اور ان کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا مگر سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بالکل خلاف تھی۔ آپ رحم و کرم کا مجسمہ تھے۔ اور ہر راوی یہی بیان کرتا ہے کہ حضورؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مخالفوں اور دشمنوں سے انتقام کا بہترین موقع تو وہ تھا جب مکہ فتح ہوا تھا اور سارے قریش آپ کے قدموں میں جھک گئے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو سرداران قریش کو سخت ترین سزائیں دیتے اور ان سے ان کے ظلم و ستم کا پورا پورا انتقام لیتے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو آنحضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ اُن کے ہاتھوں آپ نے بڑی بڑی اذیتیں برداشت کی تھیں۔ یہ وہی لوگ تھے جو معاذ اللہ

حضورؐ اقدس کو مجنون کہا کرتے تھے۔ آپ پر پتھر مارتے اور کوڑا پھینکتے تھے ان ہی اہل مکہ کے ظلم و ستم کے ساتھ کئی برس تک شعبِ ابوطالبؓ میں پناہ لینے کی غرض سے حضورؐ زندگی گزارتے رہے اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھاتے رہے ان ہی قریش کے ظلم کی وجہ سے آپ نے اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اس لئے کہ ان ظالموں نے یہ طے کر لیا تھا کہ یہ نبی کریمؐ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن ۸ھ ہجری میں جب مکہؐ کی سرزمیں پر عظیم جاہ و جلال کے ساتھ رسولؐ اسلام تشریف لے گئے اور مکہؐ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو اس وقت سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان سب کو یہ فرما کر چھوڑ دیا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ تم پر آج کوئی ملامت نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔

انتقام کی آگ بڑی سخت ہوتی ہے، اس آگ میں بڑے بڑے ہمت والے جل جاتے ہیں اور جوشِ انتقام میں اُن کی عقل فنا ہو جاتی ہے اور اُن کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں ایسی حالت میں نفس پر قابو رکھنا حضرت پیغمبرؐ اسلام کی سیرتِ پاک سے سیکھنا چاہیئے آپ نے سنا ہی ہوگا کہ ۳ھ ہجری میں جب اُحد کی لڑائی ہوئی تھی

تو ایک غلام نے جس کا نام وحشیؓ بن حرب تھا رسول اللہؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کر ڈالا تھا یہ مکّہ میں رہتا تھا۔ جب مکّہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے بھاگ کر طائف کے مقام پر چلا گیا اور جب وہاں کے لوگوں نے بھی آنحضرتؐ کی اطاعت قبول کر لی تو اس کے لئے کوئی بھی پناہ کی جگہ باقی نہ رہی۔ بالآخر یہ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور پناہ کی درخواست کی۔ آپ نے اسکو پناہ دی اور فقط اتنا فرمایا تھا کہ یہ میرے سامنے نہ آیا کرے اس لیئے کہ اسے دیکھ کر مجھ کو اپنے چچا یاد آجاتے ہیں۔ اسی طرح سرورِ کائنات نے ابوسفیان کی بیوی ہند کو بھی اسلام لانے کے بعد پناہ دیدی تھی یہ وہی ہند تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اسلام لانے کے قبل آنحضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے اور جنگ اُحد وغیرہ میں انھوں نے جس قدر مسلمانوں کا خون بہایا اسکو کون نہیں جانتا لیکن فتح مکّہ کے بعد جب یہ ڈر کر یمن بھاگ گئے تو انکی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھیں وہاں گئیں، ان کو تسکین دی، اور انھیں مسلمان کیا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گئیں۔ اُس وقت آپ نے خوش ہو کر ان کو معاف کیا اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ مَرْحَباً بِالرَّاکِبِ الْمُهَاجِرِ اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔"

اسی طرح صَفوان بن اُمیّہ جو قریش کے مشہور سردار تھے اسلام اور پیغمبر اکرم کے سخت ترین دشمن تھے۔ فتح مکّہ کے بعد یہ بھی ڈر کر جدّہ بھاگ گئے تھے اور ارادہ یہ کیا کہ یمن میں جاکر پناہ حاصل کریں۔ عُمیر بن وہب نے خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ صَفوان اپنے قبیلے کے رئیس ہیں وہ آپ کے خوف سے جدّہ کی طرف بھاگ گئے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے کو سمندر میں ڈبو دیں آپ نے ارشاد کیا کہ میں نے صَفوان کو امان دیدی۔ عُمیر نے عرض کی کہ اس امان کی کوئی علامت بھی مقرر فرمائی جائے تاکہ میں صَفوان کو مطمئن کرسکوں۔ آپ نے انکو اپنا عمامۂ اقدس عطا کیا جسے لیکر وہ صَفوان کے پاس گئے اور پھر انکے ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ صَفوان نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عُمیر نے مجھ سے کہا ہے کہ مجھے آپ نے امان دیدی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا بیشک میں نے تمکو امان دی ہے۔ اس پر صَفوان نے عرض کی کہ آپ مجھے دو مہینے کی مہلت دیدیجیئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد یہ اپنی خوشی سے اسلام لائے تھے۔

یہ تھا ہمارے رسولؐ اُمّیؐ کا عظیم کردار جس کی کوئی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہم کو بھی اسی مثال پر عمل کرنا چاہیئے۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجاسکتی ہے

۷۸۶

چند حقیقتیں

ایمان درحقیقت اس کا نام ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے اللہ کو پہچانے اور اس کی مرضی اور حکم پر عمل کرے۔ اس لیئے سچا ایمان اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک زبان سے خدا اور رسولؐ اور قیامت نیز دوسری ضروری باتوں کے اقرار کے ساتھ احکامِ خداوندی پر عمل نہ ہو۔

قرآنِ کریم میں خدا فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ

ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات ۱۵)

(ترجمہ) مؤمن وہی لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر اس کے بعد انھوں نے شک نہ کیا اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں''۔

خدا نے اپنے اس ارشاد میں اس بات کو سمجھا دیا ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ توحید و رسالت وغیرہ کو مان لینے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اس اعتقاد میں کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد خدا کی راہ میں جان اور مال کے ذریعہ جہاد بھی کیا جائے۔

جہاد کے معنی سخت کوشش کے ہیں۔ اس لئے اس سے مراد یہ ہے کہ سچا مؤمن ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی جان اور اپنی دولت کے ذریعہ ہر ممکن صورت سے اس کی بھرپور کوشش کی جائے کہ جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہو اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہو اس پر عمل کیا جائے اسی کوشش کا نام جہاد ہے۔

یہ جہاد کبھی تلوار سے میدان جنگ میں کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ جہاد ایک سچے اور پکّے مؤمن کی پوری زندگی ہی کا مقصد ہے اس طرح مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کے اعتقادات بالکل درست اور صحیح ہوں اور اس کے ذاتی اعمال اور افعال اچھے ہوں جن باتوں کا تعلق خدا اور رسولؐ سے ہو ان میں بھی اپنے فرض کو پورا کرے اور جن چیزوں کا تعلق کی مخلوق سے ہے ان میں بھی اپنے فرض کو انجام دے۔

سچے ایمان اور حقیقی اسلام کی یہی شان ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بھی مرتبے اور درجے ہیں جس قدر کوئی خدا اور رسولؐ کی اطاعت زیادہ کرے گا اس کا ایمان بھی زیادہ ہوگا۔ اسی کے ساتھ مؤمن کی ایک اعلیٰ صفت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ یعنی خدا تمہیں انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ احسان کا رتبہ عدل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ؏ (النحل ۹۰)

دوسرے کے حق کو پورا کر دینا اور اپنا حق حاصل کرنے میں پورے پورے انصاف سے کام لینے کا نام تو عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اُس کے اصلی حق سے زیادہ دیا جائے اور جب کسی سے اپنا حق لیا جائے تو جان بوجھ کر خوشی خوشی اسے کم لیا جائے اور اس میں سے کم یا زیادہ دوسرے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اس صفت کا مرتبہ عدل سے بڑھ کر ہے۔ یہ تو ہیں احسان کے خاص معنی اور اس کے عام معنی نیکی کرنے اور نیک عمل کرنے کے ہیں۔ بہر حال سچا مؤمن اور سچا مسلمان وہی ہے جو خود بھی نیک ہو اور دوسروں کے ساتھ بھی ہمیشہ نیکی کرتا رہتا ہو۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

حج کے موقع پر رسول اللہؐ کا خطبہ

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام عرفات میں قیام تھا۔ یہ ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع یعنی آنحضرتؐ کے آخری حج کا زمانہ تھا اپنے کمّل کے خیمے سے نکل کر شہنشاہ دو عالم میدان کی طرف اپنی مشہور اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر تشریف لائے اور وہ عظیم خطبہ ارشاد کیا جو قیامت تک دنیا والوں کو یاد رہے گا سامنے آدمیوں کا ایک سیلاب تھا آپ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

آگاہ ہو جاؤ! جاہلیت یعنی اسلام کی روشنی سے پہلے کے تمام دستور اور طریقے میرے دونوں پیروں کے نیچے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ آپ نے جاہلیت کے زمانہ کی ساری بیہودہ رسموں کے مٹانے کا اعلان کیا۔ پھر انسان کی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑی چیز حائل تھی اور وہ خاندان نسل رنگ، دولت و حکومت، زبان اور قوم و ملک کا فرق تھا آج تمام امتیاز اور ہر قسم کی تفریق ختم کر دی گئی۔

پیغمبر اکرم نے ارشاد فرمایا لوگو! بیشک تمہارا پروردگار ایک ہے

اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے۔ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب، آپؐ نے فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عربوں میں قدیم زمانہ سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کسی گھرانے کا کوئی آدمی اگر قتل کر دیا جاتا تھا تو اسکا انتقام لینا ان کا خاندانی فرض بن جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ برسوں آپس میں لڑائیاں جاری رہتی تھیں اور یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے کو نہ آتا تھا اور اس کی وجہ سے ہر طرف بدامنی اور فسادات پھیلتے رہتے تھے رسولؐ اکرم نے اسکے متعلق ارشاد فرمایا۔ جاہلیت کے زمانہ کے تمام خون یعنی ان کے انتقام اب باطل ہو گئے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں مطلب یہ تھا کہ اب اسکا کوئی انتقام نہ لیا جائیگا۔ ربیعہ جو آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی تھے ان کا دودھ پیتا بچہ جس کا نام ایاس مشہور ہے وہ قبیلہ بنی سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ قبیلہ ہذیل کے کسی شخص نے اسکو قتل کر ڈالا۔ خود ربیعہ بن حارث زمانۂ رسالتؐ مآب کے بعد تک زندہ رہے، اور ۲۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

اسی طرح آپؐ نے زمانۂ جاہلیت کے تمام سود کے حسابات بھی باطل

کر دئے اور اعلان کیا کہ سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ بن عبد المطلب کے اس قسم کے سارے مطالبے باطل کرتا ہوں۔

ان باتوں کے علاوہ اس وقت تک عورتوں کو اپنی جائداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ اسلام نے اس عظیم اور یادگار خطبہ میں عورتوں کے حقوق سے لوگوں کو آگاہ کر دیا اور فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَاءِ اِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَّ لَهُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا (صحیح مسلم) عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر حق ہے اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب قوم میں مال اور جان کی کوئی قیمت نہ تھی لوٹ اور قتل کا بازار گرم رہتا تھا جو شخص جس کسی کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا اور جس کو چاہتا تھا مار ڈالتا تھا کوئی انصاف تھا اور نہ کوئی قانونی نظام تھا جس سے کمزوروں کی جانوں اور ان کے مال کی حفاظت کی جا سکتی۔ امن وسلامتی کے اس عظیم پیغمبر نے اپنی اس اصلاح وہدایت سے بھری ہوئی تقریر میں فرمایا تمہارے خون اور تمہارے مال اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن (دسویں ذی الحجہ عـــہ) اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے یعنی محترم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اب تمہارے خون بغیر شرعی اور قانونی جواز کے نہیں بہائے جا سکتے اور نہ کوئی کسی کا مال ناحق طریقہ پر لے سکتا ہے ورنہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو حاکم ہو

عـــہ بعض روایات میں ۹ رذی الحجہ اور بعض میں ایامِ تشریق کا ذکر ہے۔

یا محکوم ہو۔ سردار قبیلہ ہو یا معمولی آدمی ہو قانون کی گرفت سے بچ نہ سکے گا اور اس سزا کا مستحق ہو گا جو اس کے لیئے مقرر کر دی گئی ہے۔

اسکے بعد سردار انبیاء نے دوسرے احکام شریعت کی تعلیم دی۔ پھر ہزار ہا انسانوں کے مجمع سے فرمایا۔ تم سے خدا کے یہاں میری نسبت دریافت کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ کرام نے عرض کی ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ آپ نے اللہ کا حکم اور پیغام ہم تک پہنچا دیا اور اپنے فرض کو ادا کر دیا۔

یہ سن کر حضور انور نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین دفعہ فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اے خدا تو گواہ رہنا"

جس وقت سرکار دو عالم یہ یادگار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور خدائی احکام پہنچا رہے تھے اس وقت بجائے لاکھوں روپے کے تختِ شاہی یا قیمتی شاہانہ مسند کے حضور ایک معمولی سے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے جو آپ کی اونٹنی پر پڑا ہوا تھا۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

سرورِ کائنات کا آخری حج

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہجرت کے بعد ۱۰ ہجری سے پہلے فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تھے۔ ایک زمانہ تک قریش سے جنگ رہی پھر صلحِ حدیبیہ کے بعد اس کی مصلحت نہ ہوئی، آخر اس فرض کی ادائیگی کا بھی وقت آ گیا اور ماہ ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں اس کا اعلان ہوا کہ رسولِ کریم حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی اور تمام قبائل آپ کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیئے ہر طرف جمع ہونے لگے۔

۲۶ ذی قعدہ ہفتہ کے روز آپ نے غسل فرمایا اور نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے۔ تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ مدینہ سے ۶ میل پر ایک جگہ ذوالحلیفہ ہے۔ جو مدینہ سے حج پر جانے والوں کی میقات ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ رات کو ٹھہر گئے۔ صبح کو اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جس کا نام قصوآ تھا اور احرام باندھا۔

جب حج کے لیے احرام باندھا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بغیر سلے ہوئے لباس کو پہن کر اپنے لیئے بہت سی ان باتوں کو

حکمِ خدا کے مطابق حرام کر لیا جاتا ہے جو اس سے پیشتر جائز ہوتی ہیں

غرض اس کے بعد بلند آواز سے فرمایا لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں ہے

ہم حاضر ہیں اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ہر طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آرہے تھے اور جب پیغمبرؐ اسلام لَبَّیْکَ کی آواز بلند فرماتے تھے تو لاکھوں آوازیں ایک ساتھ بلند ہوتی تھیں اور سارا صحرا اور تمام پہاڑ ان نعروں سے گونج اٹھتے تھے۔ فتح مکّہ کے وقت جن منزلوں میں حضورؐ نے نماز ادا فرمائی تھی ان میں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں تعمیر کرلی تھیں آپ اس سفر کے دوران اُن مسجدوں میں نماز ادا فرماتے جاتے تھے۔

غرض ۴ ذی الحجہ کو صبح کے وقت مکّہ میں تشریف لائے۔ یہ پورا سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندانِ ہاشم کے بچوں نے حضور خاتم المرسلینؐ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی کے مارے گھروں سے نکل آئے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے ان میں سے کسی کو اپنی اونٹنی پر آگے کی طرف اور کسی کو پیچھے کی طرف اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ جب خانۂ کعبہ پر نظر پڑی تو بارگاہِ الٰہی

میں دعا فرمائی - اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ عزت عطا فرما کعبہ کا طواف کیا اور فارغ ہوکر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت پڑھی :- وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى اور مقام ابراہیم کو سجدہ کرنے کی جگہ بناؤ" اور کوہِ صفا پر تشریف لے گئے تو فرمایا اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں یہاں پر کعبہ نظر آیا تو ارشاد ہوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ"

یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں - اس کا کوئی شریک نہیں - اسی کے لئے سلطنت اور مُلک اور تعریف ہے - وہی حیات عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہی تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے - سوائے اس کے کوئی خدا نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دید کی "صفا" پہاڑی سے اتر کر "مروہ" پر آئے تو وہاں بھی دعا اور تسبیح و تہلیل کی جمعرات کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مقام منیٰ میں قیام فرمایا - یہ آٹھویں ذوالحجہ تھی - دوسرے روز صبح کی نماز کے بعد منیٰ سے روانہ ہوئے اور سب مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے وہاں ایک جگہ جس کا نام

نمرہ ہے۔آپ نے ایک کمّل کے خیمہ میں قیام فرمایا تھا۔جب دوپہر ڈھل گئی تو اپنی اونٹنی قصوآ پر سوار ہوئے۔ اور میدان میں آ کر ایک یادگار خطبہ ارشاد فرمایا۔

خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کیں اس کے بعد آپ نے حج کی دوسری عبادتیں انجام دیں اور منیٰ میں قربانی کی۔

قوموں کی تباہی آپس کی لڑائیوں اور باہمی فساد کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ اسی آخری حج کے موقع پر پیغمبرؐ اسلام نے اسی وجہ سے فرمایا تھا۔" ہاں مسلمانو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کو پوچھے گا۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۷۸۶

احکامِ حج

ہر وہ مسلمان مرد یا عورت جو مستطیع ہو یعنی اس کو مکۂ معظمہ جانے کی اور حج کے احکام بجالانے کی قدرت ہو اور دوسری مقررہ شرطیں بھی پائی جائیں تو اس پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے حج کے لفظی معنی کسی کام کا قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں مگر شریعت میں اس سے مراد مکّہ جا کر کچھ خاص عبادتیں بجالانا اور قربانی کرنا ہے حج سال بھر میں صرف ایک بار ذی الحجہ کے مہینے میں کیا جاتا ہے اور آٹھویں تاریخ سے اس کی عبادتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ حج پر جانے والوں کے لیئے خاص خاص جگہیں مقرر ہیں جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں ان جگہوں کو مِیقات کہا جاتا ہے۔ احرام باندھنے کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ جب حاجی احرام کی نیت کر لیتے ہیں تو

بہت سی وہ باتیں جو اس سے پیشتر ان پر جائز تھیں وہ اب حرام ہو جاتی ہیں جب تک ان کا یہ احرام تمام نہ ہو جائے۔ احرام کے علاوہ حج کی اور ضروری عبادتیں ہیں جیسے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنا صَفَا اور مروَہ جو مشہور پہاڑیاں ہیں اور اب اُن کا تھوڑا سا نشان باقی رہ گیا ہے ان کے درمیان سعی کرنا۔ یعنی ایک خاص رفتار کے ساتھ چلنا اور دوڑنا اسی طرح نویں تاریخ مقام عَرَفَاتْ میں ٹھہرنا پھر غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے روانہ ہوکر مَشْعَرُالْحَرَام جس کو مُزْدَلِفَہ کہتے ہیں وہاں ٹھہرنا اور عبادت میں مشغول رہنا پھر دسویں تاریخ مقام مِنیٰ میں قربانی کرنا اور دوسری عبادتیں بجالانا پھر مکّہ واپس آکر طواف وغیرہ کرنا جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

مقام عَرَفَاتْ میں تمام حاجی ظہر کے وقت سے شام تک دور دور تک جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے ایک طرح کا بغیر سیا ہوا لباس پہنے ہوئے خواہ وہ فقیر ہوں یا بادشاہ ہوں حاکم ہوں یا محکوم ہوں سب کے سب خدا کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوئے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

حج کے بیان میں عُمرہ کا لفظ بھی آپ نے سنا ہوگا اس کا مقصود بھی خانۂ کعبہ کی زیارت کرنا ہے اور اس میں بھی اِحرام اور طواف وسعی کی عبادتیں کی جاتی ہیں مگر ان دونوں میں فرق بھی ہے۔ حج سال میں صرف ذی الحجہ کے مہینے میں اور خاص وقت میں کیا جاتا ہے اور عُمرہ سال میں کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عُمرہ میں عَرَفات اور مُزدلفہ میں ٹھہرنا اور مِنٰی کی عبادتیں یعنی قربانی وغیرہ بھی نہیں ہوتیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ ایک یہ بھی فرق ہے کہ سب کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ مگر عُمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کچھ علماء کے نزدیک سنتِ موکّدہ ہے۔ اور اکثر اس کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن ایک بار سے زیادہ سب کے نزدیک مستحب ہے خلاصہ یہ کہ حج کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ اس پاک مقام پر حاضری دے جو اللہ کی رحمتوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور وہاں پہنچ کر اپنے اسلامی شعور اور اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی کوشش کرے اور خدا کی راہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا اپنے دل میں سچا جذبہ اور تڑپ پیدا کرے اور قربانی کی اُس مثال کو زندہ کرے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے خدا کی بارگاہ میں پیش کی تھی۔ حج کرنے سے مسلمانوں کو جو روحانی

اور جسمانی، اخلاقی، سماجی اور علمی و تاریخی فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ بے شمار ہیں ایک طرف ان کے کردار کی اصلاح ہوتی ہے اور اس پاک ماحول میں کچھ روز رہنے سے طبیعت میں خدا کا خوف بیٹھ جاتا ہے اور دین کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے دوسری طرف ساری دنیا کے مسلمانوں کے اس اجتماع عظیم میں شریک ہو کر ان کی معلومات میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے اسلامی اخوت اور برادری کے جذبہ میں بھی بے پناہ طاقت پیدا ہوتی ہے اور پھر واپسی پر ان خوش نصیب مسلمانوں کے ذریعہ سے یہ برکتیں ان کے ہم وطن دوسرے مسلمانوں میں بھی پھیلتی ہیں۔ خدا تمام مسلمانوں کو حج کی برکتوں سے مشرف فرمائے اور انھیں توفیق عطا کرے کہ وہ اس مقدس مقصد کو پورا کریں اور کردار کی اس پاکیزگی کو اپنے نفس میں پیدا کریں جس کے لئے وہ اس سعادت کو حاصل کرتے ہیں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

۸۶

آنحضرتؐ کا عزم و استقلال

سرور کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم عزم و استقلال کی ایک عظیم مثال تھے۔ آپ کی پوری زندگی اوّل سے لے کر آخر تک استقلال کا ایک بڑا قیمتی سبق ہے آپ نے مشرکوں اور کافروں کی زبردست طاقت کے مقابلہ میں لا اِلٰہ الا اللہ کی آواز بلند فرمائی جب کہ آپ کے پاس نہ لشکر تھا اور نہ دولت کے انبار تھے۔ آخر باطل کی تمام طاقتیں چور چور ہو گئیں اور سچائی کا پرچم ہمیشہ کے لیئے بلند ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے تیرہ سال تک مکہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور انتہائی تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ کفار قریش نے آپ کی تذلیل و توہین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر آپ کی ہمت و استقلال

میں کبھی کوئی فرق نہ آسکا۔ تین سال تک آپ اپنے چچا حضرت
ابو طالبؓ اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ نیز تمام بنی ہاشم کے ساتھ
مکہ کی ایک مشہور گھاٹی میں جس کا نام شعب ابو طالبؓ تھا
پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ قریش کی پوری قوم نے آپ سے اور تمام
بنی ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات توڑ دیئے تھے۔ اور اس کی پوری
کوشش کرتے رہے کہ آنحضرتؐ کو قتل کر دیں اسی طرح تین برس
تک مسلسل آپ اور آپ کے ساتھی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ مگر حضورؐ
کے عزم و استقلال میں کمزوری نہ پیدا ہوئی۔ آنحضرتؐ اپنے
اصحابؓ کرام سے فرماتے تھے: "تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں
اُن کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، اُن کے بدن پر لوہے
کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے اُن کی کھال اُن کے
گوشت سے الگ ہو جاتی تھی مگر یہ کڑی آزمائشیں بھی انھیں اپنے
دین سے الگ نہ کر سکیں (یاد رکھو) خدا کی قسم دین اسلام اپنے
مرتبہ کمال تک پہنچ کر رہے گا۔ جب قریش کے سردار حضورؐ کے
خلاف تمام تدبیریں اور سازشیں کر کے بالکل تھک گئے۔ تو پھر
انھوں نے آپ کے سامنے مال و دولت کے خزانے اور حسن و جمال
کے تحفے پیش کرنے کی لالچ دی۔ ان میں سے ہر چیز دنیا کے بہادروں

کے قدم ڈگمگا دینے کے لیئے کافی تھی - لیکن نبیؐ کریم نے ان کی پیشکش کو انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا - اور یہ فرما دیا کہ اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں جب بھی میں حق بات کہنے سے باز نہ آؤں گا - مطلب یہ تھا کہ دنیا کی دولت و عزت اقتدار، حکومت اور حسن و جمال غرض کوئی بڑی سے بڑی قیمتی چیز بھی اس قابل نہیں ہے کہ وہ حق اور سچائی کی قیمت کے مقابلہ میں لائی جا سکے اور سچائی کو چھوڑنے کا جواز پیدا کر سکے -

بدر کی مشہور لڑائی میں جو ۲ھ ہجری میں ہوئی تھی آپ کی فوج میں تین سو تیرہ ۳۱۳ بے سر و سامان سپاہی تھے - نہ اسلحہ تھا اور نہ سب کے پاس سواریاں تھیں - نہ کسی رسد اور غلّہ وغیرہ کا ذخیرہ موجود تھا اور نہ کسی سے کُمک اور مدد کے پہنچنے کا سہارا تھا اور دوسری طرف قریش کا زبردست لشکر ہتھیاروں سے اور پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ سامنے تھا - ایسے نازک وقت میں بڑے بڑے بہادروں کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہ سکتے - مگر اللہ کے اس مجاہد نے استقلال اور جرأت کی نہ بھولنے والی مثال پیش کی اور اپنے چند نہتے سپاہیوں اور بہادر ساتھیوں کے ساتھ قریش کی بڑی فوج سے جنگ کی اور

باطل کے غرور و تکبر کو ہمیشہ کے لیئے خاک میں ملا دیا۔ کبھی کبھی بعض لڑائیوں میں وقتی طور پر مسلمانوں کو کچھ شکستیں بھی ہوئیں لیکن رسولؐ اسلام کا قدم کبھی اور کسی حالت میں بھی میدان سے نہ ہٹا اور آپ انتہائی مستقل مزاجی کے ساتھ ہر کڑی سے کڑی مصیبت کو جھیلتے رہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ آپ کی آواز نے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر جگا دیا اور ابتدا میں آپ نے تنہا حق کی آواز بلند کی تھی اور آج اس آواز پر لبیک کہنے والے دنیا میں ایک ارب مسلمانوں سے زیادہ موجود ہیں۔

اگر آج ہم مسلمانوں میں اس استقلال و جرأت کی ہلکی سی جھلک بھی پیدا ہو جائے تو ہمارے تمام مشکل مسائل حل ہو سکتے ہیں اور ہمارا بڑے سے بڑا دشمن بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۲۸۶

سورۂ کوثر کی مختصر تفسیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

(اے رسولؐ) بے شک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا پس تم اپنے پروردگار کی نماز پڑھو۔ اور قربانی دو بے شک تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان ہے:۔

کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری۔ اس لفظ میں دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں داخل ہیں ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو

اسی نام سے مسلمانوں میں شہرت رکھتا ہے۔ یہ "حوض کوثر" کیا ہے؟
اس کے متعلق یوں تو بہت سے قول ہیں مگر زیادہ شہرت اسی بات کی ہے کہ یہ جنّت کی ایک نہر کا نام ہے۔ یا پھر ایک بہت بڑے حوض کا نام ہے جو جنّت کی اسی نہر کے پانی سے بھرا جائے گا اور بے حد لمبا چوڑا ہوگا۔ اُس وقت جب حشر کے میدان میں گرمی اور پیاس کی حد نہ ہوگی اسی "حوضِ کوثر" سے ان ہی لوگوں کو سیراب کیا جائیگا اور ان ہی کی پیاس بجھائی جائے گی جو اللہ کے نیک بندے اور سچّے مؤمن ہوں گے اور جو لوگ اُس کی اطاعت نہیں کرتے وہ سب کے سب اس کے پانی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

"کُوثَر" کے ایک معنی اولاد کی کثرت اور زیادتی کے بھی ہیں۔

نَحَرَ۔ گردن کے نیچے کے حصے کا نام ہے اور قربانی کرنے کو بھی کہتے ہیں۔

"اَبْتَر" اُس کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو اور بے نام و نشان ہو۔

یہ لفظ بَتْرٌ سے بنا ہے جس کے معنی کاٹنے یعنی جدا کرنے اور الگ کرنے کے ہیں اس لئے اَبْتَر اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو

ہر نیکی اور بھلائی اور کامیابی سے دُور اور جدا کر دیا گیا ہو اور ہر بہتری سے محروم ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں عطا کر دی ہیں اور حوضِ کوثر بھی دیا ہے۔ اور کثرت کے ساتھ اولاد بھی دی ہے۔

آپ کی روحانی اولاد تو آپ کی ساری اُمّت ہے جو تمام زمین میں پھیلی ہوئی ہے اور قیامت تک پھیلی رہے گی اور آپ کی جسمانی اولاد آپ کی محبوب ترین بیٹی حضرت فاطمہؓ زہراؓ کے ذریعہ سے دنیا میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ مکّہ کے بعض کفّار کہتے تھے کہ آپ کا کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیئے کہ آپ کے دو فرزندوں حضرت قاسمؓ اور حضرت عبدؓ اللہ کا مکّہ میں انتقال ہو گیا تھا لہٰذا وہ کہتے تھے کہ آپ کی نسل ختم ہو گئی اس بنا پر اللہ نے اس سورہ کو نازل فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میرے رسولؐ کی نسل ختم نہیں ہو سکتی بلکہ جو اُن کے دشمن ہیں ان ہی کی نسل ختم ہو جائے گی۔ اُن کا دنیا میں نام ونشان اور کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ ہر نیکی اور ہر کامیابی سے بھی ہمیشہ محروم رہیں گے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالاَبْتَرُمیں اَبْتَر کے معنی تو آپ کو معلوم ہو گئے۔ رہے شَانِئَکَ کے معنی یہ "شَنَأٌ" سے بنا ہے اس کے معنی ہیں دشمنی کرنا اور دشمن رکھنا اس لیئے شَانِیٌ سے مراد دشمن ہے۔ اُس عظیم انعام کی وجہ سے جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو دیا ہے کہ انھیں ہر نعمت اور ہر نیکی عطا کر دی۔

اللہ فرماتا ہے کہ انھیں چاہیئے کہ وہ اپنی روح اور بدن اور مال سے اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، بدن اور روح کی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اور مال کے ذریعہ جو عبادت کی جاتی ہے اس میں قربانی کرنے کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ کفّار اپنی عبادتیں اور قربانیاں بتوں کے لیئے کیا کرتے تھے تو مسلمانوں کو یہ تمام کام صرف اللہ کے لیئے کرنا چاہیئں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

۷۸۶

قول و قرار کی پابندی

اور

سیرتِ طیبہ

کسی سے اگر کوئی قول و قرار اور عہد و پیمان کر لیا جائے تو اس کے پورا کرنے کو ایفائے عہد کہتے ہیں۔ یہ بڑی اعلیٰ صفت ہے اور بڑی حد تک انسان کی ترقی اور ترقی اور انسانی معاشرے کی بھلائی اس پر موقوف ہے۔ سچے مسلمان کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ جب کسی سے وعدہ کرے تو اسے ہر حال میں پورا کرے۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہو تو ہٹ جائے۔ مگر مسلمان جو زبان سے کہہ دے اس وعدہ اور عہد کو پورا کرے اور اس کا پابند رہے۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی سیرت پاک ایفائے عہد کا بھی ایک بڑا نمونہ تھی ۔ آپ اس کے اتنے پابند تھے کہ آپ کے سخت ترین دشمن بھی اس کو مانتے تھے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا ایفائے عہد نہیں کر سکتا ۔ آپ نے جب بھی کوئی عہد اور وعدہ کر لیا تو اسے ہمیشہ پورا کیا اور کبھی اس میں فرق نہ آنے دیا ۔

چنانچہ جب روم کے شہنشاہ نے حضورؐ کے ایک سخت ترین دشمن ابو سفیانؓ سے پوچھا تھا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کبھی عہد اور وعدے کی خلاف ورزی تو نہیں کرتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور وہ ہمیشہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں ۔

صَفوَانؓ بن اُمیَّہ اسلام لانے سے قبل حضورؐ کے بڑے سخت دشمن تھے جب مکہ فتح ہو گیا تو بھاگ کر یمَنؔ کے ارادے سے جَدَّہ چلے گئے ایک صحابی عُمیر بن وہبؓ نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ صفوانؓ مکہ سے خوف کی وجہ سے فرار کر گئے ہیں آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ ان کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ پھر اپنا عمامۂ مبارک عُمیرؓ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ یہ اس کی نشانی ہے کہ میں نے صَفوانؓ کو امان دیدی ہے آخر صفوانؓ آنحضرتؐ

کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور دریافت کیا کہ حضورؐ نے مجھے امان عطا کر دی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے امان دینے کا وعدہ کر لیا ہے اور اب تمہیں امان ہے۔ صفوانؓ یہ سُن کر اسلام لے آئے۔

مقام حُدَیبیَہ میں مشرکوں کے ساتھ حضور نبی کریمؐ نے صلح کی تھی جو صلح حُدَیبیَہ کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو کر مکّہ سے مدینہ جائے گا اس کو مسلمان واپس کر دیں گے اور اسے مدینہ میں پناہ نہ دی جائے گی۔ عین اس وقت جب اس عہد و پیمان کی تحریر لکھی جا رہی تھی ابو جَندلؓ مکّہ والوں کی قید سے بھاگ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور حضورؐ سے فریاد کی کہ میری جان بچایئے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اے ابو جندلؓ صبر کرو۔ ہم عہد کے خلاف نہیں کر سکتے۔ خدا بڑا کارساز ہے عنقریب تمہارے لیئے کوئی راہ نکالے گا۔

بدر کی لڑائی میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ایسے موقع پر عام لوگوں کی یہی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ لشکر کی تعداد بڑھائیں اور جتنے زیادہ

لڑنے والے اور مدد کرنے والے ممکن ہوں جمع کیے جائیں لیکن اُس وقت جب کہ زندگی یا موت کا سوال در پیش تھا آپ نے اپنے عہد کا پوری طرح پاس ولحاظ رکھا۔

حُذیفہ بن الیمانؓ اور اُن کے والد یمانؓ جن کا اصلی نام حُسیلؓ تھا دونوں مدینہ کی طرف مکہ سے آرہے تھے راہ میں کفار نے انھیں روکا یہ سمجھ کر کہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جا رہے ہیں۔ آخر میں، اس شرط پر انھیں رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں حضورؐ کے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے اور ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایفائے عہد کی عظیم ترین مثال اور بہترین نمونہ تھے اور آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ وہ مؤمن قریب ہوگا جو سب سے زیادہ اپنے وعدے اور اپنے عہد کو پورا کرتا ہے" خدا ہم سب کو سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں ہدایت کرے کہ ہم وہ بات زبان سے نہ کہیں جس کو پورا نہ کر سکیں اور جو وعدہ اور عہد کسی سے کر لیں اس کو وفا کریں۔

۲۸۶

نماز اور باہمی تعاون وہمدردی

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس کے قبول ہونے پر دوسرے اعمال کا قبول ہونا موقوف ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے یعنی اس کے تمام اعمال سے افضل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر نماز پورے خضوع و خشوع، پورے دھیان اور پوری توجہ کے ساتھ پڑھی جائے تو اس میں بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان تمام بری عادتوں اور برے کاموں سے بچ جاتا ہے اسی لیئے قرآن حکیم میں خدا نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت ۴۵)، نماز بے حیائی اور بری

باتوں سے روکتی ہے۔

نماز کے جہاں اور بڑے بڑے فائدے ہیں ساتھ ہی وہ اخوت، بھائی چارا، آپس کی دوستی اور باہمی میل جول کی بھی تعلیم دیتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب کوئی مسلمان جماعت کی نماز میں شرکت کرے گا تو بہت سے لوگوں سے اس کی ملاقات ہوگی ایک دوسرے کو پہچانے گا۔ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوگا۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور محبت پیدا ہوگی سب لوگ جب دن اور رات میں کم سے کم پانچ مرتبہ آپس میں ملتے جلتے رہیں گے تو محبت اور دوستی کے کیسے اچھے تعلقات پیدا ہو جائیں گے ہر ایک کی خوشی اور غم، راحت اور تکلیف میں دوسرے لوگ شریک ہوں گے۔

پھر یہی نہیں ہے کہ نماز جماعت سے اخوت اور دوستی پیدا ہوتی ہے بلکہ اگر تنہا بھی نماز ادا کی جائے جب بھی وہ آپس کی الفت و محبت کا سبق دیتی ہے۔ اس لئے کہ ایک سچا مؤمن اور پکا مخلص مسلمان جو اپنے اللہ کو سب سے بڑا جانتا ہے اس کی اطاعت اور فرماں برداری کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد سمجھتا ہے اور اس کا یقین رکھتا ہے کہ زندگی اور زندگی کی ساری نعمتیں

جو اس کو ملی ہیں وہ سب اللہ کی ذات پاک نے اسے عطا کی ہیں تو یقیناً ایسے شخص کے دل میں اپنے پروردگار کی بے حد تعظیم اور عزت اور بے پناہ محبت ہوگی - اور جب وہ اپنے خدا سے محبت کرے گا تو پھر اُس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے پر مجبور ہو جائے گا جس کا وہ خالق اور پالنے والا ہے اور دوسرے انسانوں سے بھی اس کو الفت ہوگی کیونکہ یہ سب کے سب اسی کے بندے ہیں اور وہ اپنے ان بندوں سے محبت فرماتا ہے۔

دوسری بات جو نماز سکھاتی ہے وہ آپس کی مساوات اور برابری ہے یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ جب جماعت کی نماز ہوتی ہے تو اس میں امیر و غریب چھوٹے اور بڑے حاکم اور محکوم بادشاہ اور رعایا سب کے سب ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہو کر خدا کی بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں کہیں اور ایسی مساوات کی مثال پائی جاتی ہے جیسی اسلامی نماز میں ہے - ہرگز نہیں اس کے ساتھ ہی اگر ہم غور کریں گے تو ہماری فرادیٰ نماز یعنی جب وہ تنہا پڑھی جائے اُس وقت بھی وہ اسی مساوات کا درس دیتی ہے کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نماز کی رکعتیں اس کے اعمال اور ساری باتیں جس طرح غریب اور محکوم کو بتائی گئی ہیں اسی طرح

امیر کبیر، اور حاکم اور بادشاہ کو بھی سکھائی گئی ہیں اور کسی شخص کو اُس کی دولت اور حکومت وغیرہ کی وجہ سے نماز پڑھنے میں کوئی خصوصی امتیاز نہیں دیا گیا۔ سب کے لیئے خواہ وہ کوئی ہو قرآنِ کریم نے اعلان فرما دیا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو تقویٰ اور ایمان اور خدا کی اطاعت میں سب سے زیادہ ہو اس میں نسل، زبان، ملک، اور خطہ و قومیت کسی بات کا کوئی فرق نہیں ہے۔

تیسری بات جو نماز تعلیم دیتی ہے وہ اطاعت ہے۔ نماز جماعت میں کس طرح لوگ امام جماعت کی اطاعت کرتے ہیں! اور کس طرح اس کے ہر اشارے پر حرکت کرتے ہیں۔ یہ ہم ایک مسلمان کی پوری زندگی کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح اسے سبق ملتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اپنے استاد اور اپنے بزرگ کی اطاعت اور فرماں برداری کرے کیونکہ انسانی زندگی کی ترقی اور بہبود اسی طرح کے نظم و ضبط اور اطاعت اور فرماں برداری کے اسی طریقہ اور انتظام پر موقوف ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۷۸۶

روزہ

اور

باہمی اخوّت

روزہ اسلام کی بنائی ہوئی عبادتوں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں دکھاوا نہیں ہوتا اور وہ صرف خدا کے حکم پر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھوکا پیاسا اس غرض سے نہیں رہتا کہ لوگ اس کی تعریف کریں بلکہ اس کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ روزہ صرف اس بات کا نام نہیں ہے کہ آدمی صبح سے شام تک فاقہ کرے

بلکہ بندگی کچھ شرطیں بھی ہیں جنھیں روزہ دار کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔ یہ ساری باتیں بڑی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں۔

ایک خصوصیت روزہ میں یہ بھی ہے کہ اس سے آدمی کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیوں کہ جب کوئی خود بھوکا پیاسا رہے گا تو دوسرے بھوکوں پیاسوں اور غریب و نادار لوگوں کی اُس کو قدر ہوگی اور جو لوگ خوب کھاتے پیتے رہتے ہیں ان کو محسوس ہوگا کہ غریبوں پر بھوک میں کیا گزرتی ہے اور جب کبھی وہ کسی بھوکے کو دیکھیں گے تو ان کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگی کہ ہم اُس کی مدد کریں اور اُس کی اس تکلیف کو دور کردیں اس طرح پورے معاشرہ میں باہمی امداد کا جذبہ اُبھر جائے گا۔ جب ہمدردی کا جذبہ ہر ایک کے دل میں پیدا ہوگا تو پھر یہ ہمدردی صرف بھوک اور پیاس ہی کے ساتھ مخصوص نہ رہے گی بلکہ ہر تکلیف میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے لگے گا اور خود غرضی یا دوسروں کی ضرورت اور تکلیف کی طرف سے لاپروائی اور بے توجہی کی عادت جاتی رہے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ اکیلا نہیں رہ سکتا بلکہ وہ ایک معاشرہ کا محتاج ہے یعنی وہ اپنے رہنے سہنے کھانے پینے لباس اور مکان وغیرہ کی تمام ضرورتوں میں دوسرے انسانوں کا محتاج ہے اور یہ بات صاف ہے کہ سب لوگوں کی حالت ہمیشہ ایک سی نہیں رہا کرتی۔ آج کوئی غریب ہے تو کل امیر ہوگیا اور آج کوئی امیر ہے اور دولت مند ہے تو کل اسے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہ رہی غرض زمانے کے حالات روز بروز بدلتے رہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ اس وقت اگر کوئی بڑا دولتمند اور بڑے عالی منصب پر ہو تو کل بھی اسی حال میں باقی رہے اس لئے اگر معاشرہ کے افراد میں باہمی ہمدردی کا جذبہ نہ پایا جائے تو پھر وقت پڑنے پر کوئی بھی کسی کی مدد نہ کرے گا خواہ اس وقت وہ امیر ہو یا غریب ہو اور اس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ اور پوری قوم انتشار اور تباہی میں مبتلا ہو جائے گی۔

اسی لئے تو یہ بات سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کے دل میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور کسی وقت اس جذبہ میں کسی قسم کی بھی کمزوری نہ آنے پائے

کیونکہ اس جذبۂ ہمدردی کی کمزوری یا بالکل ہی نہ ہونا انسان کی اجتماعی زندگی کی تباہی کی سب سے بڑی علامت ہے۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے خود اپنے جسم اور اپنی صحت وتندرستی اور اپنے اعضا پر غور کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے پیر یا ہاتھ یا جسم کے کسی معمولی سے معمولی حصہ میں ذرا سی پھانس لگ جاتی ہے یا کہیں ذرا سی خراش آجاتی ہے تو ہمارا پورا بدن اس عضو کی تکلیف کو دور کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کا تعاون نہ ہو تو ہمارا بدن نہ تو تندرست رہ سکتا ہے اور نہ زندہ ہی رہ سکتا ہے۔

اسی قسم کا تعاون اور آپس کی امداد کا طریقہ قوموں کی بقا اور ترقی کے لئے بھی ضروری ہے اور یہ تعاون ممکن نہیں ہے جب تک لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی کا جذبہ نہ ہو۔

غرض اب یہ بات صاف ہوگئی کہ روزہ باہمی ہمدردی کے جذبات کو ابھارتا ہے اور بے حد ترقی دیتا ہے اور یہی جذبۂ ہمدردی وہ چیز ہے جس پر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بقا اور ترقی کا دارومدار ہے۔

۷۸۶

اطاعتِ الٰہی

ہم اپنے نوکر سے جسے ہم تھوڑی بہت تنخواہ دیتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ وہ اُس اپنے فرض کو پوری طرح انجام دے جو ہم نے اُس کے سپرد کیا ہے اگر وہ اپنے کام میں ذرا سی بھی کمی کرتا ہے تو ہمیں غصہ آجاتا ہے اگر تھوڑی سی غفلت کرتا ہے تو ہم اُس کو کیسی سختی کے ساتھ ڈانٹتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ ہم اُس کو چند ٹکے دیتے ہیں اور ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب اسکی اپنی مرضی کچھ بھی نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہے صرف ہماری اپنی مرضی ہے اور اُسی پر نوکر کو چلنا ہے۔

اس کے ساتھ ہم کبھی اس کو بھی غور سے دیکھیں کہ اللہ نے

ہمیں کیا کیا نعمتیں عطا کی ہیں اور ہم اپنے عظیم پالنے والے کی بندگی کس حد تک کرتے ہیں - اس نے ہمیں پیدا کیا ہے جب کہ ہم کچھ بھی نہ تھے - اس نے ہمیں ہاتھ پیر دیئے - آنکھیں دیں، عقل دی، قوت اور طاقت عطا کی، طرح طرح کی غذائیں بخشیں - مال و دولت حاصل کرنے کے وسیلے مہیا کیئے - یعنی ہماری زندگی کے لیئے جس قدر ضرورتیں تھیں وہ سب اللہ ہی نے ہمیں دی ہیں - اب ہم اس پر غور کریں کہ اتنی لاتعداد نعمتوں کے ملنے کے بعد ہم اپنے اللہ، اپنے خالق اور اپنے مالک کی کس قدر اطاعت کرتے ہیں اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں، جب کہ ہم اپنے نوکر سے چند ٹکے دے کر اس کی توقع کر لیتے ہیں کہ وہ ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہ کرے ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارا نوکر وفادار بھی رہے - اگر ذرا سی بھی بے وفائی کرے گا تو ہم کبھی اس کو برداشت نہ کریں گے اور اُس کو فوراً نکال دیں گے بس اسی طرح ہمیں اپنے مالک اور رزق دینے والے اور مصیبتوں اور بلاؤں سے بچانے والے اللہ کی فرماں برداری اور اطاعت کو پوری وفاداری کے ساتھ کرنا چاہیئے ورنہ ہمیں اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ دوسروں سے اپنی وفاداری کی امید کریں یا ان سے

اپنی خواہش کریں کہ وہ ہماری اطاعت کریں۔

ہماری خدا سے وفاداری اور اس کی بندگی یہ ہے کہ ہمارا کوئی عمل اور کام اس کی مرضی اور حکم کے خلاف نہ ہو یعنی ہمارا سونا جاگنا کھانا پینا، پڑھنا لکھنا، دولت کمانا اور اُس دولت کو خرچ کرنا سب کچھ اسی طریقہ پر ہو جسے اللہ پسند کرتا ہے اور اُس کا حکم دیتا ہے غرض ہماری پوری زندگی اس کی مشیّت اور خوشنودی کے مطابق بسر ہو اور ہم کوئی کام ایسا نہ کریں جس کی وجہ سے ہم پر اپنے مالک اور آقا سے بے وفائی اور بغاوت کا الزام آسکے۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم نماز روزہ اور دوسری عبادتوں میں کوئی دنیاوی لالچ اور غرض نہ رکھیں یعنی اگر ہم کو کچھ فائدہ معلوم نہ ہو اور ہماری خواہش پوری نہ ہو تو ہم نماز وغیرہ چھوڑ نہ بیٹھیں کیونکہ یہ بات تو اُس وفاداری کے خلاف ہے جو اصولی طور پر ہمیں اپنے پیدا کرنے والے سے کرنا چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کی بارگاہ میں دعا کرنے کا حق ہے اور اپنی حاجتیں پیش کرنے کا پورا استحقاق ہے اور ہمیں اُس سے ضرور دعا مانگنا چاہیئے مگر چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حاجت ہم طلب کرتے ہیں وہ ہمارے حق میں بہتر بھی ہو

اس لیئے اگر دعا قبول نہ ہو تو ہمیں بددل اور مایوس ہو کر عبادت کو ترک کرنا یا کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ سے وفاداری کے خلاف ہو۔

غرض ہماری عبادت اور ہمارے کام اس لیئے ہونا چاہئیں کہ ہم اللہ کی خوشنودی حاصل کریں کیونکہ یہی اس سے ہماری وفاداری کا تقاضا ہے۔ اگر ہمارے دل میں خلوص نہ ہو گا اور ہم اللہ کی مخلوق اور اس کی رعیّت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرض کو پورا کرنے کے بجائے کوئی دنیا دی غرض رکھیں گے تو ہماری عبادت کی کوئی قدروقیمت نہ ہو گی اور ہماری پوری زندگی اللہ کے سامنے بے حقیقت بن جائے گی۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

خیرُالاُمم

امّت کے یوں تو عربی زبان میں بہت سے معنی آتے ہیں مگر اس لفظ کے مشہور معنی جماعت اور گروہ کے ہیں اس لئے امّتِ مسلمہ سے مراد مسلمانوں کی جماعت اور مسلمان قوم ہے۔

قرآن کریم نے اس کو بہترین امّت کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں خدا فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

تم سب اُمتوں سے افضل اور بہتر اُمت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔ تم دوسروں کو نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمام رسولوںؑ اور نبیوںؑ سے افضل تھے اسی طرح آپ کی اُمّت بھی تمام پچھلی اُمّتوں سے افضل ہے اور اس کی یہ فضیلت اس سبب سے ہے کہ اس کو سب سے بہتر پیغمبرؐ ملا اور ہر شریعت سے زیادہ کامل شریعت عطا کی گئی ہے، اس کے لیئے علم اور معرفت کے تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ یہ امّتِ مسلمہ کسی خاص ملک اور خطّہ یا رنگ ونسل کے لیئے مخصوص نہیں بلکہ اس کا تعلق سارے عالم اور پوری انسانی زندگی سے ہے اس طرح اس اُمّت مُسلمہ کا کام ہی یہ ہے کہ تمام عالم انسانیت کی خیر خواہی کرے اور اسے نیکیوں اور اچھائیوں کی تعلیم دے اور بُرائیوں سے منع کرے۔

آپ نے یہ دیکھا کہ اس آیت میں دو خاص لفظ آئے ہیں ایک "مُعروف" دوسرے "مُنکر"

معروف کے معنی نیکی اور اچھائی کے ہیں اس لیئے امر بالمعروف کے معنی ہر نیکی اور اچھائی کا حکم دینے کے ہوں گے اسی طرح مُنکر برائی اور بدی کو کہتے ہیں تو نہی عن المنکر کا مطلب ہوگا ہر بدی اور برائی سے روکنا۔ معروف اور منکر کے الفاظ میں اتنا پھیلاؤ ہے کہ اس میں ہر قسم کی اچھائی اور ہر طرح کی برائی آجاتی ہے۔ یہ امّتِ محمدیہ کی

کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اسے اللہ نے سارے عالمِ انسانیت کی ہدایت کرنے کا عہدہ عطا فرمایا ہے اور وہ فضیلت وہی ہے جو آج تک کسی دوسری اُمّت کو نہیں ملی تھی۔

مگر اسی کے ساتھ ہم سب کو یہ بات کبھی کسی وقت نہ بھولنا چاہیئے کہ دوسروں کو ہدایت کرنے کا منصب کسی کو اُسی وقت ملنے کا حق ہو سکتا ہے جب وہ خود بھی نیکیوں پر عمل کرے اور بُری باتوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہو بے شک اللہ نے اُمّت مُسلمہ کو بہترین اُمّت بنایا ہے اور اسے دنیا بھر کی امامت اور سرداری کا حق عطا کیا ہے لیکن اس منصب اور جلیل عہدہ کے سچے حقدار صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو خود بھی برائیوں سے محفوظ ہوں۔ خدا اور رسولؐ کی سچے دل سے اطاعت کرتے ہوں اور اس عظیم منصب کو حاصل کرنے کی جو شرطیں ہیں یعنی ایمان اور تقویٰ اور قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہر فرمان پر صدقِ دل سے عمل کرنا۔ یہ سب باتیں ان میں پائی جاتی ہوں جب وہ اس فضیلت اور سرداری کے مستحق ہوں گے اور اسی شرط کی طرف اس آیۂ کریمہ میں جو ابھی ذکر کی گئی تھی یہ الفاظ صاف طریقہ پر اشارہ کر رہے ہیں وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ یعنی اس فضیلت کا اصلی حق اسی وقت مل سکتا ہے جب تم میں ایمان موجود ہو۔ اور آپ کو تو

معلوم ہو ہی چکا ہے کہ مومن کس کو کہتے ہیں اور اُس کی اصلی شان کیا ہوتی ہے۔ خدا نے اپنی رحمتِ کاملہ سے اِس اُمّتِ مُسلمہ کو "خیرُ الاُمَم" کا منصب عطا فرمایا ہے تو جہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس اُمّت کا ہر فرد اپنے آپ کو اس لقب کے حاصل کرنے کا اہل بھی بنائے اور اللہ کے ہر فرمان پر سچے دل سے عمل بھی کرے، جس نے اُس کو یہ عزت اور شرف حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس ذمہ داری کو بھی پورا کرے جو اللہ اور اس کے پاک رسُول نے اس اُمّت کے سپرد کی ہے۔

دیکھئے! آپ دوسروں کو تعلیم تو اسی وقت ہی دے سکتے ہیں جب پہلے خود علم حاصل کریں اسی طرح کوئی دوسرے کو ہدایت بھی اسی وقت کر سکتا ہے جب پہلے خود اس میں بھی ایمان موجود ہو۔ غرض اُمّتِ مُسلمہ "خیرُ الاُمَم" تو ضرور ہے۔ مگر اس لقب کو حاصل کرنے کے لئے ایمان کامل اور یقینِ محکم حاصل کرنا ضروری ہے، ہمیں کسی وقت بھی اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ :- قرآنِ کریم نے اسکا عام اعلان کر دیا ہے، کہ خدا کے نزدیک عزت صرف اسی کی ہے جسکا عمل اور کردار اچھا ہو اگر کسی کا عمل برا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو تو اللہ کے نزدیک اسکی کوئی عزت نہیں ہے خَیْرَ اُمَّۃٍ کی یہ عام تفسیر ہے اسکی خصوصی تفسیر بڑی کتابوں میں ملے گی۔

۷۸۶

وفاتِ سرورِ دوعالم

نلہ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام کے احکام کی تعلیم کے ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "مجھے آئندہ سال تک لوگوں سے ملنے کی امید نہیں ہے - اور کچھ روایتوں میں یہ لفظیں ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں" اس وقت آپ نے تمام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا اور سب کو حسرت کے ساتھ رخصت کیا - آپ نے شہدائے احدؓ کی قبروں پر جا کر اُن کو آٹھ سال کے بعد اس طرح رخصت کیا جیسے کوئی مرنے والا زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے پھر مسلمانوں کے ایک اجتماع میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا "مجھے خوف نہیں ہے کہ تم لوگ میرے بعد شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور دنیا کے

حاصل کرنے کے لئے کہیں آپس میں فساد اور خون ریزی نہ کرو کیوں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو اُسی طرح ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں ۔ وقت گذر گیا اور آخر ۱۸ یا ۱۹ ماہ صفر ۱۱ ہجری کو آدھی رات کے وقت آپ جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو طبیعت خراب ہو گئی ۔ پھر مرض میں شدت ہونے لگی ۔ ایک روز کچھ سکون تھا تماز ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا ۔ یہ آپ کی حیات کا آخری خطبہ تھا آپ نے ارشاد کیا خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرلے یا جو کچھ آخرت میں ہے اسے قبول کرلے مگر اُس بندے نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کرلی ہیں ۔ آپ کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سے بے حد محبت تھی علالت کے زمانہ میں کسی وقت انھیں طلب فرمایا، جب حاضر ہوئیں تو ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ رونے لگیں، پھر کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں ۔ جب کسی نے دریافت کیا تو بنت رسولؐ نے فرمایا ۔ پہلی دفعہ میرے بابا نے فرمایا تھا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا تو میں رونے لگی پھر فرمایا کہ میرے بعد میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملو گی تو میں خوش ہو کر ہنسنے لگی ۔

وفات کے روز جس قدر دن چڑھتا جاتا تھا آپ پر غشی زیادہ ہو رہی تھی اور پھر کسی وقت حالت بہتر بھی ہو جاتی تھی۔ حضرت فاطمہ زہرا نے فرمایا حسنؓ اور حسینؓ کو میرے پاس لاؤ۔ بچے لائے گئے۔ حضرتِ امام حسنؓ نے اپنا منہ نانا کے منہ پر رکھ دیا اور حضرت امام حسینؓ نے اپنا سر رسول اللہؐ کے سینہ پر رکھا اور رونے لگے۔ آپ نے اپنے نواسوں پر محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا اور ان کے متعلق سب کو وصیت فرمائی۔

جناب فاطمہ زہرا نے حضرتِ رسالت مآبؐ کی تکلیف دیکھ کر کہا:- ہائے میرے بابا کی بے چینی! آپ نے ارشاد کیا بیٹی! تمہارا باپ آج کے بعد پھر بے چین نہ ہوگا۔ اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا اتنے میں لبِ مبارک ہلے تو لوگوں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا الصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مطلب یہ تھا کہ نماز کی ہمیشہ پابندی کرنا اور غلاموں اور کنیزوں کے حق کا خیال رکھنا۔ چادر کبھی اپنے چہرۂ اقدس پر ڈالتے تھے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ پھر انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی یعنی اب صرف وہ بڑا اور عظیم رفیق درکار ہے! یہ کہتے کہتے نزع کی حالت شروع ہو گئی اور روحِ مبارک عالمِ قدس کی طرف روانہ ہو گئی۔

شہرت اسی کی ہے کہ پیر کے روز آنحضرتؐ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور منگل کا دن گذر کر بدھ کی رات میں دفن ہوئے۔

حضرت علیؑ نے بنی ہاشم میں سے حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کے ساتھ مل کر غسل دیا اور اُسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ اور شُقرانؓ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام بھی غسل دینے کے کام میں شریک تھے اِن ہی لوگوں کی مدد سے حضرت علیؑ نے تدفین کے فرائض انجام دیئے۔

اللہ اُس روحِ پاک کے تصدّق میں مسلمانوں پر رحم فرمائے جس نے تمام عالم کو اپنے نورِ ہدایت سے روشن و منوّر کر دیا اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے کہ وہ حضور نبی کریمؐ کی سیرت پاک پر عمل کر کے خدا کی امداد اور آپ کی روح اطہر کی خوشنودی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل کریں آمین۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۷۸۶

انصاف و عدالت

کسی چیز کو دو بالکل برابر حصّوں میں بانٹ دینے کو عربی زبان میں "عَدْل" کہتے ہیں اور اسی معنی کی مناسبت سے ہم بھی اپنی اردو زبان میں عدل و انصاف کے لفظ بولا کرتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کام کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں پوری سچائی ہو یعنی ہمارے عمل اور قول کی ترازو کا کوئی بھی پلّہ ہلکا یا بھاری نہ ہو بلکہ دونوں پلّے بالکل برابر ہوں۔

عدل و انصاف سے کام لینا اسلام کی بہت بڑی تعلیم ہے اور یہ تعلیم ہر ایک کے لئے ہے چاہے وہ فقیر ہو یا امیر ہو، حاکم ہو یا محکوم، بڑا ہو یا چھوٹا ہو۔ قرآنِ کریم میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

(نحل، ۹۰) اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ نے یہ حکم اس وجہ سے دیا ہے کہ دنیا میں امن و امان کے ساتھ ہم سب کے سب زندہ رہ سکیں اور ترقی کر سکیں ورنہ اگر عدل و انصاف نہ ہوگا تو ہر طرف ظلم پھیل جائے گا جو جس کا دل چاہے گا وہ کر لیگا اور اس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ کا سارا امن و سکون ختم ہو کر رہ جائے گا۔

عدل اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہے اور اسی پر اُس کی تمام تعلیموں کا انحصار ہے۔ عدل کی اہمیت اتنی ہے کہ اللہ کے ننانوے خاص ناموں میں سے ایک "عَدْل" بھی ہے یعنی خدا کسی پر کبھی ظلم نہیں کرتا اور وہی کرتا اور وہی کہتا ہے جو حق ہے۔ خدا نے قرآنِ کریم میں اپنی اس صفت کو بار بار اور طرح طرح سے بیان فرمایا ہے۔ سورہ مؤمن ۲۰ میں ہے " اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے " سورہ احزاب ۴ میں ہے " اللہ حق بات کہتا ہے۔ سورہ انعام ۱۱۵ میں ہے " تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہو گئی " عدل و انصاف کے ساتھ کام لینا ہماری زندگی کے ہر شعبہ ہی کے لیئے لازمی ہے۔ چاہے اس کا تعلق ہماری اپنی ذات سے ہو یا ہمارے گھر اور خاندان والوں سے ہو یا ہمارے محلہ، شہر

اور ملک کے لوگوں سے ہو یا اس کا تعلق دنیا کی کسی مخلوق سے ہو۔ ہر ایک کے ساتھ اور ہر جگہ اور ہر قول وفعل میں مسلمانوں کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہے کہ وہ عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ مثلاً ہم لوگوں کو اپنی زندگی اور اپنے کاروبار کے لیے خرید و فروخت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لیے بھی سورۂ اَنعام ۱۵۲ میں اللہ کا ارشاد ہے کہ:۔ "تم انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کیا کرو" اگر خرید و فروخت میں لوگ دھوکا فریب اور بے ایمانی نہ کریں اور پوری سچائی اور انصاف سے کام لیں تو سب لوگ کیسے سکون، اطمینان اور چین سے زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ اسی طرح اور باتوں میں بھی انصاف سے کام لینے کا حکم ہے۔ جیسے گواہی دینا۔ خدا نے (سورۃ النساء ۱۳۵) میں فرمایا ہے کہ جب بھی گواہی دو تو ہمیشہ سچی گواہی دیا کرو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی ذات یا تمہارے رشتہ داروں اور دوستوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر تم گواہی دیتے وقت پوری سچائی اور انصاف کا خیال رکھا کرو۔ جس طرح گواہی میں انصاف و عدل کا حکم ہے اسی طرح فیصلہ کرنے میں بھی اللہ نے یہی حکم دیا ہے۔ سورۂ نساء میں

خدا فرماتا ہے۔ وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

یعنی جب تم لوگوں کے مقدموں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو یاد رکھو کہ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا اور کبھی کسی کی رعایت اور جانبداری یا لالچ نہ کرنا۔ (آیۃ/۵۸)

غرض بغیر عدل و انصاف کے اسلام کی کسی تعلیم کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور بغیر اس صفت کے ہرگز کوئی شخص سچا مسلمان کہے جانے کے کا حق نہیں رکھتا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے۔

۷۸۶

اخلاقِ حسنہ

اخلاق خُلق کی جمع ہے اور خُلق کہتے ہیں عادت کو۔ یہ عادتیں اگر اچھی ہوں گی تو انھیں اچھے اخلاق کہیں گے اور اگر بُری ہوں گی تو انھیں بُرے اخلاق کہیں گے۔

یہ اخلاق اور عادتیں ہی تو ہیں جن سے آدمی پہچانا جاتا ہے، کہ وہ اچھا ہے یا بُرا ہے اگر کسی شخص کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں تو وہ بھی اچھا سمجھا جاتا ہے اور اگر اُس کی عادتیں اور اخلاق اچھے نہیں ہوتے تو وہ آدمی بھی بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ اب آپ کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ اچھے اخلاق کیا ہو سکتے ہیں اور بُرے اخلاق کون سے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر آدمی کی بُرائی اور اچھائی کو پرکھا جا سکے۔ ہاں بے شک یہ سوال بہت ضروری ہے اور اس کے

جواب کو بھی سمجھنا اور یاد رکھنا ہمارے لیئے لازمی ہے اس لیئے کہ اسی بات کو سمجھ لینے پر ہماری ہر قسم کی کامیابی اور ناکامی۔ نیک نامی اور بدنامی، اچھائی اور برائی سب ہی چیزوں کا انحصار ہے بلکہ ہمارے انسان ہونے کی علامت ہی یہ ہے کہ ہم اچھے اخلاق اور برے اخلاق میں فرق کریں اور اچھی عادتوں کو اختیار کریں اور بری عادتوں اور برے اخلاق کے قریب نہ جائیں کیونکہ اگر ہم یہ فرق نہیں کر سکتے تو پھر ہم میں اور جانوروں میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا بلکہ ہماری حیثیت اُن سے بھی بدتر ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے جیسی عقل اور سمجھ ہمیں عطا فرمائی ہے وہ جانوروں کو نہیں دی پھر ظاہر ہے کہ ہماری ذمہ داری کتنی بڑھ جائے گی اور اگر ہم اس ذمہ داری کو پورا نہ کریں گے تو ان ناسمجھ جانوروں سے بھی ہماری حیثیت کم ہو جائے گی اور ہم کسی عزت اور بلندی کے حقدار نہ رہیں گے۔

اب اس بات کو سمجھنے کے لیئے۔ کہ کون سے اخلاق اچھے ہیں اور کونسی عادتیں بری جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ساری دنیا میں بہت سی قومیں آباد ہیں اور ہر جگہ کے لوگوں کی عادتیں اور اخلاق دوسری جگہ کے لوگوں کے اخلاق سے بہت

سی باتوں میں الگ ہوتے ہیں ایک ہی عادت ایک آدمی یا ایک قوم کے نزدیک اچھی ہے تو دوسرے لوگ اس کو بہت ہی بُرا سمجھتے ہیں آپ لوگ جب اس پر غور کریں گے تو اس کی سینکڑوں مثالیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔ پھر یہ کیسے طے کیا جائے کہ کون سے اخلاق اچھّے ہیں اور کون سے بُرے ہیں اس لیئے یہ ماننا پڑیگا کہ اُن کی اچھائی اور بُرائی ہم نہیں بتا سکتے بلکہ وہ ہستی ہی بتا سکتی ہے جو تمام انسانوں سے اور صرف انسانوں ہی کا کیا ذکر تمام موجودات سے افضل اور اعلیٰ ہو اور وہ ہے ہمارے خالق کی ذات۔ اُس نے اپنے پاک رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذریعہ ہم کو اس کی تعلیم دیدی ہے کہ کون سے اخلاق بہتر ہیں جنکو ہم حاصل کریں اور کونسی عادتیں بُری ہیں جن سے ہم کو بچنا چاہیئے ان تمام اچھی باتوں کی تعلیم قرآن کریم اور احادیث رسُول میں موجود ہے اور خود حضور سرورِ کائنات کی پاک زندگی اور آپ کے اہل بیتؑ اطہار اور اصحابِ اخیارؓ کی مقدس زندگیوں سے بھی ہمیں سب کچھ معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمیں کیسے اخلاق کو حاصل کرنا چاہیئے اور اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کے آنے کی غرض ہی یہ ہے کہ انسانوں کے کردار اور اخلاق کو ٹھیک کیا جائے چنانچہ

خود حضور پُر نور کا ارشاد ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں خدا کی طرف سے لوگوں کو بہترین اخلاق کی تعلیم دینے اور اُن کی تکمیل کرنے کے لیئے بھیجا گیا ہوں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اخلاق اور عادتیں صرف وہی اچھی ہیں جو خدا اور رسُولؐ کے نزدیک اچھی ہیں اور بُرے اخلاق وہ ہیں جو اُن کے نزدیک بُرے ہیں اُن کی بُرائی اور اچھائی کو خدا اور رسُولؐ کے سوا کوئی معین نہیں کر سکتا اور ہمیں اُن ہی کے حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ آئندہ ہم آپ کے سامنے ان اخلاق کی تفصیل بھی بیان کریں گے کہ اسلام نے اچھے اخلاق کی تعلیم کس طرح دی ہے۔

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ بہترین اخلاق صرف وہ ہیں جو خدا اور رسولؐ نے ہمیں بتائے ہیں اور جب تک ہم ان کو حاصل نہ کریں گے ہم نہ تو سچے مسلمان بن سکتے ہیں اور نہ مکمل انسان کہے جانے کے لائق ہیں اور نہ کسی عزت و بلندی کے حقدار ہو سکتے ہیں۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۸۶ء

آپس کے اختلاف کا نتیجہ

اسلام نے ہم سب کو آپس میں بھرپور اتفاق اور میل جول، محبت اور الفت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ بغیر اس کے ہم نہ تو اچھی زندگی گزار سکتے ہیں اور نہ دنیا میں کوئی ترقی اور عزت ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں خدا کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات ۱۰)

یعنی ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک حدیث میں

فرماتے ہیں۔ دوسرے کی طرف سے اپنے دل میں دشمنی نہ رکھو اور نہ کسی پر حسد کرو اور آپس میں ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس لیئے ہم سب کو چاہیئے کہ ہم خدا اور رسُول کے اس حکم پر پوری طرح عمل کریں اور جہاں تک ہم سے ممکن ہو آپس کے جھگڑے اور فسادات مٹانے کی کوشش کریں۔

عداوتوں اور آپس کی نا اتفاقیوں کی وجہ سے گھر اور خاندان ہی نہیں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں اس لیئے یہ یاد رکھیئے کہ لڑائیوں جھگڑوں اور فسادات کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا اور ہمیشہ اس کی انتہا بربادی اور تباہی پر ہوا کرتی ہے۔

اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ (آل عمران ۱۰۳)

دوسری جگہ (سورۃ انفال ۴۶) میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ

یعنی اللہ اور اُس کے رسُول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی یعنی ذلیل اور تباہ

ہو جاؤ گے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ سارے مسلمان مل کر ایک تنہا آدمی کے مثل ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا پورا بدن دکھ محسوس کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا جسم تکلیف میں ہو جاتا ہے بس اسی طرح ہمارا معاشرہ بھی ہے اور اس میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ اگر ایک آدمی کو تکلیف ہو تو دوسرے لوگ اس کی تکلیف کا ویسا ہی احساس کریں جس طرح وہ خود اپنی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں اور اسی طرح اس کو دور کرنے کی کوشش کریں جس طرح وہ اپنی مصیبت اور تکلیف کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کیا کرتے ہیں حضور نبی کریم نے فرمایا ہے کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط ہو جاتی ہے اور آخر میں دیواریں بن کر ایک بڑا قلعہ اور عالی شان قصر بن جاتا ہے اسی طرح ہماری حالت ہے کہ اگر ہم آپس میں میل اور محبت، اتحاد اور اتفاق سے زندگی بسر کریں گے تو ہم چین اور آرام حاصل کریں گے۔ ترقی کریں گے اور خوشحال ہو جائیں گے ورنہ اگر ہم نے لڑنے اور لڑانے، انتقام لینے اور آپس میں نا اتفاقی اور جھگڑے کرنے کی کوشش کی تو پھر کبھی ہمیں امن و امان اور اطمینان و سکون کی زندگی نصیب نہ ہو سکے گی

اگر ہم پیٹل جوں کے ساتھ اور باہمی محبت اور بھائی چارے کے ساتھ رہیں گے تو ایک مضبوط قلعہ کی طرح ہر طوفان کا مقابلہ کر سکیں گے اور اگر نااتفاقی اور جھگڑے پیدا کریں گے تو بکھری ہوئی اینٹوں کی طرح بے جان اور بے طاقت رہیں گے اور کسی آفت اور مصیبت کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہیں گے اور ہر شخص اپنے پیروں سے ہمیں کچل دے گا۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

۷۸۶

سیرت پاک کی پیروی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب ۲۱) قرآن حکیم میں خدا کا ارشاد ہے۔ مسلمانو! تمہارے لیئے اللہ کے رسول میں پیروی کا اچھا نمونہ ہے۔ درحقیقت پیغمبر کے آنے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت کو خدا کی مرضی اور اس کے حکم سے آگاہ کرے۔ نیک باتوں کی ہدایت کرے اور خود بھی لوگوں کے لیئے زندگی بسر کرنے کی ایسی اعلیٰ مثال پیش کرے جس کو دیکھ کر لوگ آسانی سے اس کی ہدایتوں پر عمل کریں ورنہ ظاہر ہے کہ صرف زبانی ہدایت کرنے کا وہ اثر نہیں ہوسکتا جو اس کے ساتھ عملی نمونہ بھی پیش کرنے کا ہوسکتا ہے۔

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دنیا میں تشریف

لانے کی بھی غرض یہی تھی کہ آپ ہمیں نیک باتوں کی ہدایت فرمائیں اور زندگی بسر کرنے کا ایسا طریقہ سکھا دیں جو خدا کے نزدیک درست ہو اور جس میں کسی طرح کا ظلم ناانصافی گمراہی اور غلطی نہ ہو۔

قرآنِ کریم میں خدا نے آں حضرت کی شان میں فرمایا ہے۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (سورۂ جمعہ) یعنی خدا نے ایک ایسا رسولؐ بھیجا ہے جو لوگوں کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو بُری باتوں سے پاک و صاف کرتا ہے اور اُنھیں کتابِ خدا اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" یعنی میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق اور نیک باتوں کی تکمیل کروں اور اُنھیں پوری طرح سکھا دوں اس لیئے آنحضرتؐ کی سیرتِ پاک اور اعلےٰ زندگی تمام انسانوں کے لیئے ایک نمونۂ عمل ہے۔

اللہ نے سورۂ آل عمرانؑ میں فرمایا ہے۔ اے رسولؐ کہدو ان لوگوں سے اکہ اگر تم خدا کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ خدا بھی تم کو دوست رکھے۔ غرض ایک سچا مسلمان بننے کے لیئے یہ لازمی بات ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ کر

اپنی زندگی کو بھی اس کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے۔

بڑا گہرا اثر ہوتا ہے اُس نیک ہدایت اور اُس تعلیم کا جس پر شاگردوں کو حکم دینے سے پہلے اُستاد خود بھی عمل کر چکا ہو مثلاً کوئی معلّم اپنے شاگرد کو بُری باتوں اور خراب عادتوں سے بچنے کی ہدایت تو کرتا ہو مگر خود ان برائیوں میں مبتلا ہو تو پھر بہت ہی مشکل سے اُس کی ہدایت کا اثر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف شاگرد جب یہ دیکھے گا کہ ہمارا معلّم جو ہم کو سکھا رہا ہے اور جس نیک کام کی تعلیم دیتا ہے خود اُس کی زندگی اس صفت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے تو اُستاد کی تعلیم کا اثر بہت گہرا ہوگا اور ہر شاگرد اپنے اُستاد کی بات کو ماننے کے لیئے پوری کوشش سے آمادہ ہو جائے گا۔ بس یہی حال پیغمبروں کا بھی ہے جو اپنی اُمّت کے لیئے قول اور عمل دونوں ہی کے اعتبار سے بہترین مثال ہوتے ہیں۔

دنیا میں اب تک ہر قوم میں لاکھوں ہدایت کرنے والے آئے جنھوں نے اپنی اپنی قوموں کو نیک باتوں کی ہدایت کی مگر جب ہم اُن کی نجی زندگی کو دیکھتے ہیں تو یا وہ بالکل پوشیدہ اور چھپی ہوئی ملتی ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیسی تھی اور لوگوں کی نگاہوں سے جب ہٹ جاتے تھے تو کیا کرتے تھے اور یا پھر

ایسے لوگ ملتے ہیں جو زبان سے تو دوسروں کو اچھی اچھی باتیں بتاتے تھے مگر خود اُن کی عملی زندگی اُن کی باتوں سے بالکل مختلف اور بدلی ہوئی تھی اور انتہا درجہ پر قابل اعتراض تھی مگر ہمارے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی کی ایسی ذات ہے جو بلند ترین اخلاق کی تعلیم دینے کے ساتھ ہی اس کا بہترین عملی نمونہ بھی تھی اور یہ آپ کی سیرتِ پاک کی ایک بڑی خصوصیت تھی کہ وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی بلکہ آپ کی قومی اور نجی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے موجود ہے "تاکہ ہم خود اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر چھوٹے اور بڑے مسئلے کے لیئے اُس کو نمونہ بنا سکیں اور ہم پکے مسلمان اور سچے مومن صرف اُسی وقت بن سکتے ہیں جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ یعنی سیرتِ پاک کی پوری طرح پیروی کرینگے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

(۸۶)

اسلامی روزہ کی اہمیّت

اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ اسلامی عبادتوں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ روزہ صحیح معنوں میں کہتے کسے ہیں۔ کیا ایک خاص وقت سے دوسرے وقت تک صرف بھوکے اور پیاسے رہنے ہی کا نام روزہ ہے یا اس کے لیئے کچھ اور شرطیں بھی ہیں جنکے بغیر وہ اصلی روزہ نہیں ہوتا جسے اللہ کی بارگاہ سے قبولیت کا شرف ملتا ہے۔

تو ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ روزہ صرف فاقہ کرنے کا نام نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہ ہم نے سحری کے وقت سے افطار کے وقت تک کھانا پینا چھوڑ دیا اور بس روزہ ہو گیا، بلکہ روزہ رکھنے

والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہنے کے ساتھ
ساتھ اُن تمام بُری باتوں سے بھی اپنے آپ کو بچائے جو اللہ نے اپنے
رسُول کے ذریعہ ہمیں بتادی ہیں۔ مثلاً جھوٹ نہ بولے۔ چوری نہ کرے
کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، کسی کی غیبت یعنی اُس کے پیٹھ پیچھے اُس
کی بُرائی نہ کرے۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ والدین کی تعظیم اور
بڑوں کا ادب کرے منہ سے بُرے اور گندے الفاظ نہ نکالے، نیز
دوسرے احکامِ خداوندی پر عمل کرے ورنہ اگر یہ باتیں نہ ہوں گی
تو وہ روزہ ہی نہ رہیگا اور یا صرف ظاہری حیثیت سے روزہ ہوگا
مگر روحانی حیثیت سے روزہ کہے جانے کا مستحق نہ ہوگا اور نہ ایسا
روزہ جس میں ان باتوں اور شرطوں پر عمل نہ ہو اللہ کی بارگاہ
میں قبول ہوگا درحقیقت روزہ کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ
اور پرہیزگاری حاصل کرنا ہے۔ تقویٰ کسے کہتے ہیں۔ یہ دل
کی اُس کیفیت اور حالت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے
کے بعد انسان کو گناہوں اور بُرے کاموں سے نفرت پیدا
ہوجاتی ہے۔ اور نیک باتوں کی طرف اُس کی طبیعت میں
ایک تڑپ سی ظاہر ہونے لگتی ہے اور روزہ کی اصلی غرض
یہی ہے کہ آدمی کے دل میں یہی تڑپ اور یہی جذبہ پیدا

ہو جائے۔

ایک خاص امر یہ ہے کہ انسان کے دل میں گناہوں کا خیال زیادہ تر نفسانی خواہش کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے اور روزہ ان حیوانی اور نفسانی جذبات کی شدت میں بڑی کمی پیدا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اب آپ اس کے معاشرتی پہلو کو بھی دیکھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ روزہ سے امیروں اور پیٹ بھروں کو اس کا مزہ معلوم ہوتا ہے کہ فاقہ کرنے میں کتنی تکلیف ہوا کرتی ہے اور پیاسا رہنا کتنا مشکل ہے اور اُس وقت انھیں اپنے غریب اور بھوک پیاس سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چند لقموں سے اُن کی بھوک کو دور کرنے میں کتنا ثواب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خود بھوکا اور پیاسا نہ ہو اُس کو دوسرے کی بھوک اور پیاس کی اذیت کا پوری طرح کبھی احساس نہیں ہو سکتا۔

غرض اس طرح روزہ کی وجہ سے امیروں کو اپنے غریب بھائیوں کی امداد و اعانت کی طرف توجہ کرنے کا بہترین موقع حاصل ہو جاتا ہے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روزہ صرف ظاہری بھوک اور پیاس کا نام نہیں بلکہ اصل میں یہ روح کی بھوک اور پیاس کا نام ہے اور اگر روزہ سے اس کی یہ غرض یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا روزہ ہی نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث بھی ہے حضور نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزہ روحانی اور معاشرتی اور جسمانی فائدوں کا ایک بہت بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے بشرطیکہ ہم روزہ کی اصلی غرض کو سمجھ کر اس طرح روزہ رکھیں جس طرح اسلام نے روزہ رکھنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۴۸۶

ہجرتِ رسولِ اسلام

سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت کا تیرھواں سال شروع ہوچکا تھا اور بہت سے صحابہؓ کرام پہلے سے مدینہ کی طرف جاچکے تھے اُس وقت خدا نے آپ کو بھی ہجرت کا حکم دیا۔ اعلانِ نبوّت کے بعد سے اس وقت تک آپ نے کفار کے ہاتھوں بے انتہا تکلیفیں اُٹھائی تھیں مگر جب تک حکم خدا نہ ہوا آپ صبر کے ساتھ مکّہ ہی میں ٹھہرے رہے اور اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ جب قُریش نے یہ دیکھا کہ اب چند مسلمانوں کے سوا تقریباً سارے ہی مسلمان مکّہ سے چلے گئے اور مدینہ جاکر انھوں نے طاقت اور قوت حاصل کرنا شروع کردی ہے تو ان لوگوں نے

فوراً "دَارُالنَّدْوَہ" جو بڑی بڑی اہم باتوں کے لیئے مشورہ کرنے کی جگہ تھی۔ وہاں جاکر ایک جلسۂ عام کیا جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار شریک ہوئے اور یہ طے ہوا کہ رسولؐ کریم پر حملہ کرکے آپ کا خاتمہ کردیا جائے۔ قریش کے اس منصوبہ کے بعد خدا نے آپ کو حکم دیا کہ آپ مکہّ سے جلد ہجرت فرمائیں اور اپنے اس وطن کو چھوڑ کر مدینہ چلے جائیں۔

ادھر کافروں نے آپ کے گھر کو رات کے وقت آکر چاروں طرف سے گھیر لیا تھا آپ نے اپنے بستر پر اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کو سونے کا حکم دیا۔ اور ساری امانتیں اُن کے سپرد کیں، اور پھر با عجازِ رسالت آپ اُن کے مجمع کے اندر سے باہر چلے گئے اور اُن کو خبر تک نہ ہوئی۔

تین راتیں آپ نے غارِ ثورؔ میں گذاریں۔ ثورؔ مکہّ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو شہر سے کچھ فاصلہ پر دہنی طرف واقع ہے۔ یہ غار اسی پہاڑ میں ہے۔ پھر اس جگہ سے روانہ ہوکر مدینہ کے قریب ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ جس کا نام قباؔ ہے یہ مدینہ سے تین میل دور ہے۔ یہاں تشریف لاکر آنحضرتؐ نے ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور اپنے دستِ مبارک سے اس کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد

کی تعمیر کے کام میں خود آپ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک تھے اور بھاری بھاری پتھر اٹھا رہے تھے۔ مقام قُبار میں آپ کی آمد کی تاریخ اکثر مورّخوں نے آٹھویں ربیع الاول ۱۳ بعثت لکھی ہے جو ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کے مطابق تھی اور کچھ لوگوں نے یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل تحریر کی ہے۔ اسی طرح مکہ سے آپ کی روانگی کی تاریخ میں بھی مورّخوں کے کئی قول ہیں جو ۲۷ صفر یا ربیع الاول کی ابتدائی تاریخوں سے متعلق ہیں۔

غرض قُبار میں ٹھہرنے کے کچھ دن بعد جب حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور ان کے ساتھ کے لوگ یہاں پہنچ گئے تو آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر تمام شہر والوں کو پہلے ہی سے معلوم ہو چکی تھی اور پورا مدینہ انتظار کی تصویر بنا ہوا تھا۔ روزانہ بڑے اور چھوٹے تڑکے سے نکل نکل کر آبادی کے باہر جمع ہو جاتے تھے اور دوپہر تک حسرت کے ساتھ انتظار کر کے پھر بڑی مایوسی کے عالم میں واپس ہو جاتے تھے۔ ایک روز قلعہ پر سے ایک شخص نے دور پر کچھ مسافروں کو آتے دیکھا اور علامتوں سے پہچان لیا اور چیخ چیخ کر اعلان کرنے لگا۔ اے مدینہ والو جس کا تم انتظار کر رہے تھے لو! وہ آگیا" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا اور سارے

مسلمان اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر بڑی بے تابی کے ساتھ گھروں سے نکل آئے۔

جمعہ کا دن تھا حضرت خاتم المرسلین کی سواری مدینہ میں آرہی تھی قبیلۂ بنی سالم کے محلہ تک پہنچ کر دوپہر ہو گئی اور نماز کا وقت آگیا اسی جگہ آپ نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور اس سے پہلے خطبہ ارشاد کیا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آنحضرتؐ کی یہ پہلی نمازِ جمعہ اور اس کا یہ پہلا خطبہ تھا۔ مدینہ میں پہنچ کر آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں سات مہینہ قیام کیا۔ اسی زمانہ میں آپ کے حکم سے مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی اور مسجد قباء کی طرح یہاں بھی شہنشاہِ دو عالم خود بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور مسجد بنانے کے کام میں تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ یہ اس بات کا عملی سبق دیا گیا تھا کہ بڑوں کو اپنے چھوٹوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے اور اس کی تعلیم بھی تھی کہ تکبر و غرور کرنا، گھمنڈ سے کام لینا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنا خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا کسی مسلمان کی شان نہیں ہو سکتی۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۲۸۶

فیّاضی کی تعلیم

بغیر اچھے اخلاق حاصل کیے کوئی شخص نہ تو سچا مسلمان ہی بن سکتا ہے۔ اور نہ اسے صحیح معنی میں انسان ہی کہا جا سکتا ہے۔ جن اچھے اخلاق کی خدا اور رسولؐ نے ہمیں تعلیم دی ہے ان میں سے ایک فیّاضی اور سخاوت ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے آدمی کو دیدے۔ یہ بہت وسیع معنی ہیں اور اس کے پھیلاؤ میں سخاوت و فیّاضی کے سارے ہی مفہوم آجاتے ہیں خواہ اُن کا تعلق مال سے ہو۔ جان سے ہو یا کسی اور حق سے ہو اس کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے اور ان کی مدد کی جائے۔

فیاضی اور سخاوت اسلامی اخلاق میں بہت بلند اور اہم درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد ہمدردی کے جذبہ پر ہے اور بغیر آپس کی ہمدردی کے قومیں کبھی زندہ نہیں رہ سکتیں۔ دیکھئے آپ میں سے ہر شخص اسے ضرور جانتا ہے کہ اللہ نے ہر مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ زکوٰۃ بھی حقیقت میں سخاوت اور فیاضی ہی کی ایک بہترین صورت ہے جس کے ذریعے سے ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی کی مدد کرتا ہے اور اس کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے۔ پورا قرآن کریم سخاوت کی مختلف قسموں کے ذکر اور ان کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے اور اللہ نے اپنی کتاب میں ہر جگہ اس عادت کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔

سورۂ آل عمران ۹۲ میں خدا فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ "تم ہرگز کوئی نیکی نہیں پا سکتے جب تک تم اس چیز میں سے خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو جو چیز تم خود اپنے لئے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو"۔

ملاحظہ ہو اسی طرح بقرہ [illegible] مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً (ایسا کون شخص ہے جو خدا کو اچھا قرض دے تو خدا اپنی رحمت سے اس قرض کو کئی گنا بڑھا کر اسے واپس کر دے)

آپ نے غور کیا کہ قرآن میں اللہ نے سخاوت کرنے کا کیا مرتبہ تعلیم فرمایا ہے - ایک طرف تو اس کا مرتبہ یہ ہے کہ سخاوت کرنے والا اپنا مال کسی انسان کو نہیں دے رہا ہے - بلکہ گویا وہ خدا کو قرض دے رہا ہے جو بہت بڑھ چڑھ کر ہم تک واپس ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی قسم کی نیکی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا کی راہ میں سخاوت نہ کی جائے - خدا کی راہ میں سخاوت کا کیا مطلب ہے ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کاموں میں سخاوت کی جائے جن کا خدا نے حکم دیا ہے اور جن میں سخاوت کرنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے - ورنہ اگر کوئی چوروں کے لیئے سخاوت کرے کہ وہ اسلحہ خرید کر ہر طرف چوریاں کرتے پھریں اور ڈاکے ڈالیں یا اسی طرح کے اور بُرے اور ذلیل کاموں میں مدد دینے کے لیئے سخاوت کرے تو کیا ایسی سخاوت کو اللہ پسند فرمائے گا - ہرگز نہیں بلکہ یہ سخاوت تو خود جرم بن جائے گی - غرض سخاوت وہی قابل تعریف ہے جس میں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو -

ہمارے پیغمبر اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سخاوت کا تو یہ عالم تھا کہ ساری عمر آنحضرتؐ نے کسی سوال کرنے والے کے جواب میں "نہیں" کا لفظ کبھی نہیں فرمایا بلکہ جب کبھی کسی نے کچھ مانگا آپ نے اس کے سوال کو رد نہیں فرمایا اور اسے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرما دیا -

جو مال حضورؐ کے پاس کہیں سے آتا تھا جب تک آپ اس کو مستحق لوگوں تک نہیں بھجوا دیتے تھے آپ کو چین نہیں آتا تھا حضرتِ اُمّ المؤمنین امّ سلمہؓ فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ آپ گھر میں تشریف لائے تو چہرۂ مبارک بہت اُداس تھا اُمّ المؤمنین نے عرض کی یا رسولؐ اللہ خیر تو ہے یہ آپ کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے آپ نے فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی ابھی تک تقسیم نہیں ہوئے۔

آپ کے گھر والوں کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ حضرت امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالب حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھ اس گھر کی کنیز حضرت فِضّہؓ سب ہی کئی کئی وقت بھوکے رہتے تھے مگر اپنے دروازہ سے سائل کو محروم واپس نہیں کرتے تھے۔

یہ ہے اسلام کے نزدیک سخاوت کا مرتبہ۔ اگر ہم اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر عمل کریں تو ہمارا پورا اسلامی معاشرہ دُکھ اور مصیبت سے نجات پا جائے۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

سُورۃ اللّٰہب کی کچھ تشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ؕ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ۚ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

یہ سورۃ مبارکہ مکہ میں نازل ہوا تھا - اب ایک ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے -

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی تباہ ہو جائے -

مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ وہ جو کچھ اس نے کمایا -

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ ط عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اس کے گلے میں بٹی ہوئی رسی ہے۔

ابولہب کا اصلی نام عبد العزیٰ تھا اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا رشتہ میں چچا تھا لیکن اپنے کفر اور اور شقاوت کی وجہ سے حضورؐ نبی کریم کا بڑا سخت دشمن تھا۔ جب آپ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے تھے تو یہ پتھر پھینکتا تھا اور آپ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی اُمِّ جمیل کو بھی آنحضرتؐ سے بڑی عداوت تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابولہب آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا یہ عورت گویا اس میں لکڑیاں ڈال کر اس کو تیز کر دیتی تھی۔ اس سورہ میں اسلام کے ان دونوں دشمنوں کا انجام بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مرد ہو یا عورت ہو اپنا ہو یا کوئی غیر ہو فقیر ہو یا دولتمند ہو، بڑا ہو یا چھوٹا ہو اگر وہ حق سے دشمنی کریگا اور دینِ خدا کی مخالفت کرے گا تو وہ ابولہب اور اس کی

بیوی اُمِ جَمِیلؔ کی طرح ذلیل اور تباہ ہو جائے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

لَهَبٌ شُعلہ کو کہتے ہیں۔

تَبٌّ گھاٹا ہونا، تباہ و برباد ہونا۔ تباہ و برباد کرنا۔

حَطَبٌ ہر وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے۔ یعنی ایندھن۔

جِیْدٌ گردن۔

مَسَدٌ کھجور کی شاخوں کے ریشہ کو کہتے ہیں جس سے رسّی بٹی جاتی ہے۔

ابو لَہَب کی بیوی اُمِّ جَمِیلؔ باوجود دولت مند ہونے کے خود جنگل میں جاکر لکڑیاں چن چن کر اور اپنے سر پہ لاد کر لاتی تھی اور درختوں کے کانٹے آنحضرتؐ کے راستہ میں بچھا دیا کرتی تھی تاکہ آپ کو آنے جانے میں تکلیف پہنچے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اس نے دنیا میں رسولؐ اللہ کو ایذا دینے میں اپنے شوہر کا ساتھ دیا اسی طرح آخرت میں عذابِ جہنم میں بھی یہ اُس کی شریک رہے گی اور دونوں دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

جس رسّی کا یہاں ذکر ہے اس سے بہت سے لوگوں نے

دوزخ کے طوق کو مراد لیا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس عورت کی موت بھی اس کے گلے میں اسی رسّی کے کس جانے کی وجہ سے ہوئی جس سے یہ لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر جنگل سے لاتی تھی۔

اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ خدا اور رسولؐ سے دشمنی اور سرکشی کرنے کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں تباہ اور برباد ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۸۶،

صفائی اور طہارت

اسلام نے مسلمانوں کو ہر وقت پاک اور صاف رہنے کی ہدایت کی ہے اور طہارت وصفائی کو خدا کی محبت اور رحمت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرۃ/۲۲۲) اللہ توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرے لوگوں سے محبت کرتا ہے اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ اللہ ان لوگوں کو قطعاً دوست نہیں رکھتا اور اُن سے ہرگز محبت نہیں رکھتا جو گندے اور نجس رہتے ہیں اور صاف ستھرے نہ ہوں۔ اس طہارت اور صفائی کا تعلق انسان کے باطن اور ظاہر دونوں سے ہے اور اس کے لیے اسلام نے مختلف طریقوں سے ہدایت کی ہے مثلاً بہت سی عبادتیں بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتیں،

مسجدوں میں نجاست کی حالت میں جانا ممنوع ہے - کثیر موقعوں پر غسل کر لینے کی تاکید کی گئی ہے جس میں خاص طور پر ہر جمعہ کو نماز جمعہ سے قبل اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے تاکہ لوگ پاک و صاف ہو کر جماعت کی نماز میں شریک ہوں اور کسی گندگی اور بدبو سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو - ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پاکیزگی اور طہارت کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے -

جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی انسان کو صاف ستھرا رہنا چاہیئے - چنانچہ حضرت سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ملاحظہ کیا کہ وہ میلے کپڑے پہنے ہوئے ہے - یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ کیا اسے پانی میسر نہ تھا کہ یہ اپنے میلے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا -

یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہی ہے کہ اسلام نے ہر مسلمان پر نماز پڑھنا ضروری قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل ہو بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی اور ہر نماز پڑھنے والے کے لیئے لازم ہے کہ وہ اپنے جسم اپنے کپڑوں اور نماز پڑھنے کی جگہ سے نجاست کو دور کرے اس طرح اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جو شخص دن اور رات کی نمازوں اور عبادتوں کے لیئے صاف ستھرا اور پاک رہنے کا عادی بن جائے گا

وہ پھر دوسرے اوقات میں بھی گندہ نہیں رہ سکتا اور اُس کی طبیعت ہمیشہ صفائی اور پاکیزگی کی طرف مائل رہا کرے گی۔

سو کر اٹھنے، کھانے کے پہلے اور بعد ہاتھوں اور دانتوں کی صفائی پر بہت زور دیا گیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے زہریلے جراثیم اور بہت سی بیماریوں سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

اِن تمام احکام میں بنیادی بات یہ ہے کہ گندگی اور نجاست خواہ وہ آدمی کے اپنے جسم اور کپڑوں میں ہو یا اُس کے ماحول میں ہو اُس کی اور دوسرے تمام لوگوں کی صحت اور زندگی کے لیئے خطرہ ہے اور اس خطرہ کو دور کرنا شرعی طور پر ہر شخص کے لیئے ضروری ہے ورنہ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے خود بھی تباہی میں مبتلا ہوگا اور اپنے گرد وپیش کو گندہ رکھ کر دوسروں کی زندگیاں بھی برباد کرنے کا باعث بنے گا اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے سامنے اُسے اپنی غفلت اور لاپرواہی کا جواب دینا ہوگا۔

اسلام میں ہر روز نہانے کے لیئے کوئی خاص حکم نہیں ہے اور نہ اُس وقت جب ابتدا میں یہ احکام دیئے گئے تھے۔ عرب جیسے ملک میں یہ امر ممکن ہی تھا۔ لیکن اب خود عربستان میں یا جس جگہ بھی پانی کثرت سے پایا جاتا ہو وہاں روز نہانا اور زیادہ سے زیادہ

اپنے جسم اور اپنے گردوپیش کو صاف رکھنا ہر طرح قابل تحسین ہے جس کی طرف سرورؐ کائنات کے ان الفاظ میں واضح طور پر اشارہ پایا جاتا ہے جو آپ نے پانچوں وقت کی نمازوں کی مثال میں ارشاد فرمائے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے دروازہ پر نہر بہہ رہی ہو اور اُس میں وہ دن میں پانچ دفعہ نہایا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے؟ اس مثال میں دن میں پانچ مرتبہ نہانے کا ذکر فرمانا خود بتاتا ہے کہ رسولؐ اکرم کے نزدیک زیادہ سے زیادہ صاف ستھرا رہنا ہر انسان کے لیئے ضروری ہے۔ اور اگر ہر فرد اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کرے تو نتیجہ میں سارا ملک اور پورا معاشرہ گندگیوں اور نجاستوں سے خود بخود پاک ہو کر ایک مثال بن سکتا ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۷۸۶

اللہ کی بندگی

اور

وفاداری

ہم سچے مسلمان اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ہم صدقِ دل سے اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے مخلص اور وفادار بندہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے جب کہ ہم کچھ بھی نہ تھے۔ ہمارا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اللہ کی ذاتِ اقدس ہی تو ہے جس نے ہمیں زندگی کی عزت اور دولت عطا فرمائی ہے پھر صرف زندگی ہی نہیں بلکہ عقل دی، سمجھ دی تاکہ اپنے لیے ہم وہ باتیں اختیار

کر سکیں جن میں ہمارے واسطے اچھائی ہو اور جن چیزوں میں برائی ہو انہیں ترک کر سکیں اور اپنے آپ کو اُن سے بچا سکیں۔ عقل اور سمجھ کے علاوہ اللہ نے ہمیں اور بھی بے شمار نعمتیں دی ہیں اور ہم کو پیدائشی طور پر ایسی صلاحیتیں بخشی ہیں کہ ہم ساری کائنات پر اپنا اقتدار قائم کر سکتے ہیں اور ہر چیز کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں خدا نے کئی جگہ فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیئے مسخر یعنی اُس کا تابع کر دیا گیا ہے۔ ہمارے جسم کی بناوٹ اور اعضاء کی ترتیب میں کیسی کیسی خوبیاں اور مصلحتیں اور حکمتیں رکھی گئی ہیں جن پر غور کرنے کے بعد عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس مٹی کی مخلوق کو اس کے عظیم خالق نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کیا سے کیا کر دیا اور پھر اس کے زندہ رہنے کے لیئے کیسے کیسے سامان کیئے ہیں۔ گرمی کی ضرورت تھی تو اس کا انتظام فرمایا۔ ٹھنڈک کی حاجت تھی تو اُس کا بندوبست کیا۔ پانی اور ہوا کے بغیر زندگی ممکن نہ تھی تو ان چیزوں کو بھی مہیّا کر دیا تاکہ ہم بڑے چین اور راحت سے زندگی گزار سکیں۔ ان بے شمار نعمتوں میں سے کسی ایک چیز کو بھی پیدا کرنے پر ہمیں قدرت نہیں۔

اس لیئے ہماری پوری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے

والے اور پالنے والے کی بندگی اور اطاعت کریں اُس کے ہر حکم پر چلیں اور کبھی کوئی ایسا کام نہ کریں جس میں اُس کی ناراضگی اور ناخوشی ہو اور وہ اُس کام کو پسند نہ فرماتا ہو نہ تو ہم ایسا کام ظاہر بظاہر کریں اور نہ چھپ کر کریں کیونکہ ہمارا اللہ ہمارے ہر عمل کو جانتا ہے۔ وہ ہمارے دلوں کے تمام بھید جانتا ہے۔ اور اُس سے ہم کوئی بات کبھی نہیں چھپا سکتے۔ اس لیئے اُس کی بندگی اور اُس سے ہماری وفاداری صرف اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب کہ ہم اپنی چھپی ہوئی اور خفیہ باتوں میں بھی اُس کی خوشنودی کا خیال رکھیں اور اُس سے ڈرتے رہیں اسی طرح جس صورت سے ہم اپنی ظاہری باتوں میں اُس کی مرضی کے خلاف نہ کریں۔

اسلام کے لفظ کے معنی تو آپ جانتے ہی ہوں گے اور جو شخص نہیں جانتا اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے معنی ہیں فرماں برداری کرنا۔ اطاعت کرنا اور حکم ماننا اس لیئے مسلمان وہی ہے جو اپنے اللہ کا فرماں بردار ہو اُس سے وفاداری کرے اور اُس کا حکم مانے۔ اُس کی فرماں برداری یہ ہے کہ مسلمان اپنے خدا کے ہر حکم پر عمل کرے

اور اُس سے وفاداری یہ ہے کہ اُس کی مرضی کے خلاف کسی غیر کا سہارا نہ تلاش کرے اور اس کام میں کسی کی بھی بات نہ مانے جس میں خدا کے حکم سے سرکشی اور بغاوت ظاہر ہوتی ہو۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

٧٨٦

مال و دولت اللہ کی امانت ہے

اللہ نے جابجا قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے وہ سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے سورۃ الحدید[٢] میں اللہ کا ارشاد ہے :" آسمانوں اور زمین میں اسی کی سلطنت ہے" سورۃ شوریٰ[٤] میں فرماتا ہے۔" اسی اللہ کا ہی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"۔ پھر سورۃ زخرف میں فرمایا گیا ہے، (۸۵) "وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی حکومت ہے" پھر سورۃ النجم[٣١] میں فرماتا ہے" وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے اللہ ہی کا ہے۔ یہاں اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مال و دولت کے

اصلی مالک نہیں ہیں بلکہ اس کے امانتدار ہیں - اور ہمیں اللہ کی مرضی
اور حکم کے خلاف ایک پیسہ بھی نہ خرچ کرنا چاہیئے اور اسی طرح سارے
خرچہ پر کڑی نظر رکھنا چاہیئے جس طرح ایک انتہائی دیانتدار اور
امانتدار شخص کسی کی امانت کو بے جا اور غلط طریقہ پر صرف کرنے
سے بچتا ہے - چنانچہ اسی سورۃ النجم میں پھر فرمایا گیا ہے ۔ (آیت ۳۱)
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى یعنی
یہ جو کچھ مال و دولت اللہ نے انسانوں کو دیا ہے اس کی غرض یہ ہے
کہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اُن
لوگوں کو ثواب عطا کرے جو اس کا صحیح استعمال کرتے ہیں -

سورۃ حدید میں ایک جگہ اللہ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے
اللہ اور اُس کے رسُول پر سچے دل سے ایمان لاؤ اور اپنے مال و
دولت میں سے جس میں تم کو اُس نے اپنا نائب بنایا ہے اس کی
راہ میں خرچ کرو - ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم جس مال و
دولت کو اپنا کہتے ہیں وہ درحقیقت ہمارا نہیں ہے بلکہ اللہ کا ہے
اور ہم صرف ایک امین اور نائب کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ہمیں
اللہ کی اس امانت کو اُسی طرح صرف کرنا چاہیئے جس طرح اس کی
مرضی ہو ورنہ یہ خیانت ہوگی اور ہمیں اس کی سزا ملے گی - اس

بات کو ہم اس طرح بھی دیکھ سکتے ہیں کہ زمین و آسمان کی جس قدر چیزیں ہیں وہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور انھیں سے ہم اپنے لیئے ہر قسم کے فائدے حاصل کرتے ہیں اور انہیں کو ہم اپنا مال و دولت سمجھتے ہیں تو جب ہم یہ دیکھیں گے کہ جو چیزیں ہمارے قبضہ میں ہیں خواہ وہ زمین ہو پانی ہو آگ ہو یا کوئی اور چیز ہو ان میں سے کوئی چیز بھی ہم نے نہیں بنائی بلکہ وہ سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں تو ہم پوری طرح سمجھ جائیں گے کہ نہ تو ہمارے اعضاء ہمارے ہیں اور نہ ہمارا جسم ہمارا ہے اور نہ وہ چیزیں ہماری ہیں جو ہمارے قبضہ اور تصرف میں ہیں بلکہ ہم اور ہماری ہر چیز اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں لازمی طور پہ ہم اپنے ہر عمل میں ہر کام میں اور ہر تصرف اور ہر خرچہ میں ایک خزانچی، نوکر اور امانتدار کی طرح اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونگے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ جب کوئی شخص اپنے ملازم کو کچھ رقم دیتا ہے تاکہ وہ بازار سے کچھ سودا سلف لے آئے اور جب وہ ملازم اس کی منگائی ہوئی چیزیں لاتا ہے تو وہ کس طرح اس سے ایک ایک چیز کا حساب طلب کرتا ہے پھر وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس نوکر نے سودا لانے میں وقت کتنا صرف کیا۔ غرض کسی امانت کو خرچ کرنے میں انسان پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے بس اسی طرح ہر شخص کو اپنی ذمہ داری

اللہ کی بارگاہ کے سامنے بھی سمجھنا چاہئے بلکہ اِس ذمہ داری کی اہمیت تو سب سے زیادہ ہے۔ ایک نوکر اور ملازم کے پاس جو امانت ہے وہ اس کے مجازی مالک کی ہوتی ہے اور خود ہر انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کے حقیقی مالک اور آقا اللہ کی ملکیت ہے اور پھر ایسا مالک جو انسان کے ہر چھپے ہوئے اور ہر ظاہر کام سے پوری خبر رکھتا ہے اور کوئی راز بھی اسکی ذات سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا جب کہ مجازی مالک کی نظر سے بہت سی باتیں اُس کے نوکر کی چھپی رہتی ہیں اور وہ ان باتوں سے واقف نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم مال و دولت کے امین ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بات کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھتے رہیں کہ ہمارے پاس جو مال آیا ہے وہ حرام وسیلوں سے نہ ہو۔ اور جن باتوں میں ہم اس مال کو صرف کریں وہ بھی اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہوں اگر ہم اپنے مال کو خدا کی مرضی کے خلاف صرف کریں گے تو اصل میں ہم اللہ کے مال میں خیانت کریں گے اور ایسے لوگوں کے لیئے خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ (حج/۳۸)

یعنی اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔"

غرض سچا مسلمان وہی ہے جو اپنی دولت خدا کی مرضی کے خلاف نہ جمع کرے اور نہ خرچ کرے۔

زکوٰۃ اور امداد باہمی

زکوٰۃ کے متعلق اس سے پہلے کچھ باتیں بیان کی جا چکی ہیں، کہ وہ کیا ہے اور کس طرح نکالی جاتی ہے اور کسے دی جاتی ہے۔ آج ہم زکوٰۃ کے صرف اس پہلو کو دیکھتے ہیں کہ اس سے باہمی امداد اور آپس کی اعانت کے طریقہ کو کس قدر امداد ملتی ہے۔ آپ کو یہ بات تو معلوم ہی ہو چکی ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں کو ملنا چاہیئے جو واقعی غریب ہوں اور مدد کے محتاج ہوں اور جو غریب نہ ہوں وہ ہرگز زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں تو اب ہر زکوٰۃ نکالنے والے مسلمان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مستحق آدمی تک اسے پہنچا دے یا شریعت کے ایسے ادارہ تک اسے پہنچا دے جسے شرعی طور پر زکوٰۃ جمع کرنے کا اختیار حاصل ہو تاکہ اس ذریعہ

سے وہ زکوٰۃ مستحق لوگوں تک پہنچ جائے۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصرف ہیں جنہیں آپ جانتے ہوں گے ان میں غریبوں اور محتاجوں کی امداد کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ انسانیت کا وہ دکھی گروہ ہے جس سے ہر قسم کے لوگ ہمدردی رکھتے ہیں۔ مگر اسلام نے ان کے ساتھ صرف زبانی ہمدردی ظاہر نہیں کی بلکہ عملی طریقہ پر بھی ایسا نظام بنا دیا ہے کہ وہ بغیر امداد کے نہ رہ سکیں۔ ایک طرف تو اسلام نے ہر مسلمان کو اس کی ہدایت کی ہے کہ اس سے اخلاقی طور پر جس قدر ممکن ہو سکے اپنے مال سے غریبوں کی مدد کرتا رہے اور دوسری طرف ایسا قانون بھی بنا دیا کہ لوگ اپنے غریب بھائیوں کی امداد کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اس سے اپنے آپ کو بچا نہ سکیں وہ قانون زکوٰۃ کا طریقہ ہے۔

اس طرح اسلامی معاشرہ کے تمام افراد ایک دوسرے کے شریکِ حال رہ سکتے ہیں امیروں اور غریبوں میں محبّت، خدمت اور ہمدردی و خلوص کا ایک گہرا رابطہ پیدا ہوتا ہے اور ہر مسلمان جس میں استطاعت اور قدرت ہو اس کے دل میں لازمی طور پر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے محتاج بھائی کو سہارا دے اور اس کی مدد کرے اس طرح اس سے دو بڑے اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ جس غریب آدمی کی مدد کی گئی ہے وہ اس مدد کے سہارے اپنی حالت بہتر بنا

سکتا ہے اور پھر اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ خود دوسروں کی امداد کرے اس طرح ایک شخص کی زکوٰۃ بہت سے زکوٰۃ دینے والے پیدا کر سکتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب کبھی اس زکوٰۃ کو ادا کرنے والے کے حالات اچھے نہ رہیں اور زمانہ کی گردشیں اس کو بھی محتاج اور فقیر کر دیں تو فطری طور پر دوسروں کو اس سے زیادہ ہمدردی پیدا ہو گی اور امیروں کے ساتھ غریب بھی اس کی ہر مدد کرنے کے لیئے تیار ہو جائیں گے۔

اب آپ خود ہی غور کریں کہ اگر یہ امداد باہمی کا جذبہ ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو جائے اور ہر ایک آدمی اسی جذبہ کے مطابق اپنے محتاج، نادار اور ضرورت مند بھائیوں کی امداد کرتا رہے تو پورے معاشرہ میں کیسا سکھ اور آرام پیدا ہو جائے گا اور کسی کی کوئی تکلیف ایسی باقی نہ رہ سکے گی جو دفع نہ ہو جائے۔ یہاں پہ دو باتیں ہمیں نہ بھولنا چاہیئں ایک تو یہ کہ جو معذور اور اپاہج لوگ ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی کاروبار کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ زکوٰۃ لے کر اسے اپنے کاروبار میں لگا سکیں گے اور اپنی زندگی بہتر بنا کر خود بھی دوسروں کی امداد کر سکیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسی مجبوری کی حالت میں ہمیشہ ہی

وہ قدرت اور استطاعت رکھنے والوں کی نگاہِ رحم وکرم کے محتاج رہیں گے اور دوسری بات یہ کہ جو لوگ اس وقت محتاج اور غریب ہیں اور نہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان کو اسلام نے ہمیشہ جان بوجھ کر غریب بنے رہنے اور اس بہانہ سے زکوٰۃ لیتے رہنے سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے اور ہر وہ شخص جس میں قدرت اور طاقت ہو اسے محنت کر کے کھانے کی ہدایت کی ہے تاکہ لوگوں کو مفت خوری کی عادت نہ پڑے۔ اس طرح زکوٰۃ امداد باہمی کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کا بہترین راستہ ہے بشرطیکہ اس پہ سختی سے عمل کیا جائے اور اسلامی ہدایات کو سامنے رکھا جائے۔ پھر یہی باہمی امداد پورے معاشرہ میں آپس کے اتحاد و اتفاق اور محبت و ہمدردی کی بہترین بنیاد بن جائے گی اور کسی قوم یا جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے جو تباہیاں آتی ہیں ان سے ہمارا معاشرہ پوری طرح محفوظ ہو سکے گا۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۸۶

جہاد

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاد کے معنی اسلام کے دشمنوں سے فقط لڑائی لڑنے ہی کے ہیں مگر ایسا نہیں ہے بلکہ جہاد کے معنی اس سے زیادہ وسیع ہیں۔ کیونکہ جہاد "جُہد" کے لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی کوشش کرنے کے ہیں اور اس میں تمام وہ کوششیں شامل ہیں جو دینِ حق کی حفاظت اور بلندی کے لیے کی جائیں اس طرح شریعت کی اصطلاح میں جہاد کہتے ہیں:-

دین کی حفاظت اور خدمت میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے، کوشش کرنے اور ان تمام روحانی اور جسمانی طاقتوں اور صلاحیتوں کو جو اللہ نے بندوں کو عطا کی ہیں، اس کی راہ میں

صرف کرنے کو۔ اس میں خدا کی راہ میں جان و مال، زبان و قلم اور دل و دماغ کی تمام قربانیاں، اولاد اور عزیزوں کی تمام قربانیاں شامل ہیں اور جہاد کے اس وسیع مفہوم کی فقط ایک قسم ہے میدانِ جنگ میں لڑنا۔

تو اب یہ بات صاف ہوگئی کہ جہاد اور لڑائی دو الگ الگ لفظیں ہیں اور ان دونوں کے معنی ایک نہیں ہیں بلکہ لڑائی اور جان کی قربانی پیش کرنا جہاد کی فقط ایک قسم ہے۔ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اس فرق کو صاف طریقہ پہ بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نسآء میں ارشاد ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (۴، آیۃ/ ۹۵)

مسلمانوں میں سے وہ جن کو کوئی جسمانی عذر نہو اور پھر وہ بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو بیٹھے نہ رہیں بلکہ خدا کی راہ میں اپنی جان سے اور اپنے مال سے جہاد یعنی کوشش کر رہے ہوں برابر نہیں ہیں، اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت عطا کی ہے۔

یہاں پہ اللہ کے اس ارشاد سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آرام ڈھونڈنا اور سستی کرنا جہاد کے معنی کے بالکل خلاف ہے،

اس کے ساتھ یہ چیز بھی معلوم ہو گئی کہ جہاد دو طرح سے ہوتا ہے، ایک جہاد بالنفس یعنی نفس اور جان کے ساتھ جہاد کرنا، اور دوسرے جہاد بالمال یعنی اپنے مال کے ذریعہ جہاد کرنا۔

جان کے ذریعہ جہاد یہ ہے کہ حق کی حفاظت اور حمایت میں ہر قسم کی جسمانی اذیت اور تکلیف برداشت کی جائے آگ میں جلائے جانے، سولی پر لٹکائے جانے اور تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے کٹ جانے اور مر مٹنے کے لیے مسلمان ہر وقت تیار رہے اور جب وقت آجائے تو ان میں سے کسی بات سے منہ نہ موڑے اور ہر ممکن قربانی پیش کرے۔

مال سے جہاد کرنا یہ ہے کہ دین کی حمایت و نصرت میں اپنی دولت اور اپنی ہر چیز کو جس کا مالک ہو اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے منہ نہ چھپائے اور اپنے سرمایہ اور کمائی کو اللہ کی راہ میں پیش کرنے اور نثار کرنے کے لیئے آمادہ رہے۔

جان اور مال ہی کی بے جا محبت اور لالچ ہوتی ہے جو آدمی کو دینی اور دنیاوی ترقیوں سے محروم رکھتی ہے اگر یہ دونوں رکاوٹیں ہمارے سامنے سے ہٹ جائیں اور ہمارے دلوں میں اللہ کے حکم اور رسول اللہ کی اطاعت کے سامنے جان و مال کی

محبت اور لالچ باقی نہ رہے تو ہم کامل مسلمان بن جائیں اور پھر ہماری ترقی کو دنیا کی کوئی طاقت نہ روک سکے۔

غرض دنیاوی اور دینی ترقی کا راز اسی جہاد کے اندر ہے قرآن کریم کے سورہ حُجُرات آیت ۱۵ میں خدا فرماتا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

(ترجمہ) مؤمن وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور پھر وہ اس میں ڈگمگائے نہیں اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان سے اور اپنے مال سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اس لیئے اگر ہم کو سچّا مؤمن بننا ہے تو ہمیں دینِ حق کی حفاظت میں اللہ کی راہ میں اور رسولؐ کی اطاعت میں جان و مال، اولاد، دل کی خواہشوں اور ہر چیز کی قربانی دینے کے لیئے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا اور اسی کا نام جہاد ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۸۶

صِلۂ رِحمی

رشتہ داری کا حق ادا کرنے کو عربی زبان میں "صلۂ رحم" کہتے ہیں اور اسی کے مقابلہ پر ایک دوسرا جملہ ہے "قطعِ رحم" جس کے معنیٰ اس کے خلاف ہیں یعنی رشتہ داری کا حق ادا نہ کرنا جب لوگ آپس میں کسی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں تو ان میں باہمی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتا ہے جیسے ایک اسکول میں پڑھنے والے ایک شہر، ایک ملک یا ایک محلہ میں رہنے والے، ایک ساتھ سفر کرنے والے، ایک ساتھ تجارت کرنے والے، ایک زبان بولنے والے یا اسی طرح کی اور باتوں میں باہمی شرکت رکھنے والے غرض جب بھی لوگوں میں کوئی صفت مشترک طریقہ پر پائی جاتی ہے

تو یہی ہوتا ہے کہ وہ آپس میں اُنس ومحبت کرنے لگتے ہیں اور ان میں باہمی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر ایک اپنے لیۓ دوسرے کی جانب سے کچھ ذمہ داریاں محسوس کرنے لگتا ہے جنہیں وہ آپس کی محبت اور ان تعلقات کو باقی رکھنے کے لیۓ پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے ۔ مثال کے طور پر خود طلبہ برادری اپنے اسکول یا کالج کے ساتھیوں یا اپنے کلاس کے ساتھیوں سے جو نزدیکی ، قربت اور ان کی طرف ایک خصوصی توجہ اور دل کا جھکاؤ رکھتی ہے اسے آپ ضرور محسوس کرتے ہوں گے یہ کیوں ہے ؟ اس کی وجہ وہی ہے جو ابھی بیان کی گئی یعنی ایک کا دوسرے کے ساتھ کسی خاص تعلق ، رشتہ اور صفت میں شریک ہونا۔

آپ اس بات کو ضرور جانتے ہیں کہ ایسی صورتوں میں ہر آدمی پر اپنے دوسرے شریک اور ساتھی کی طرف سے کچھ فرض اور کچھ حق لازم ہو جاتے ہیں جن کو پورا کرنا اخلاقی طور پر ہر ایک کے لیۓ ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ تعلقات ختم ہو جاتے ہیں اس قسم کے تمام رشتوں میں نسلی اور خاندانی رشتہ کی سب سے زیادہ اہمیّت ہے اور اسی بنا پر آپس کی رشتہ داری اور قرابت سے ایک شخص پر دوسرے کی طرف سے جو فرض اور ذمہ داریاں آتی ہیں وہ

بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور انھیں پورا کرنا قریبی رشتہ داروں میں
سے ہر ایک پر ضروری ہے اور اس فرض اور ذمہ داری کو پورا کرنے
کا نام ہی صِلۂ رَحِمی ہے۔ دوسرے قسم کے تعلقات تو لوگ خود
آپس میں پیدا کر لیتے ہیں مگر رشتہ داری اور قرابت کا تعلق وہ ہے
جو اللہ نے انسانوں کے درمیان قائم کیا ہے اور انہیں ایک
درخت کے پھلوں اور پھولوں کی طرح بنایا ہے جو سب کے سب
ایک ہی جڑ اور اصل سے وابستہ ہوا کرتے ہیں۔ آپس کی دشمنی
اپنے مقام پر کتنی ہی سخت ہو مگر رشتہ اور خاندانی تعلق کبھی ٹوٹ
نہیں سکتا یعنی باپ باپ ہی رہے گا بھائی بھائی ہی رہے گا
چاہے آپس کے تعلقات کتنے ہی خراب کر لیے جائیں۔ اس لیے
یہ بات نہ بھولنا چاہیئے کہ جب قرابت کا تعلق کسی حال میں بھی نہیں
توڑا جا سکتا تو پھر ایک کی طرف سے اُس کے دوسرے رشتہ دار
پر جو ذمہ داریاں اللہ نے معیّن کر دی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہو
سکتیں اور اُنھیں ہر حال میں پورا کرنا ضروری ہے اور ان
ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک دوسرے
سے سچی محبت کرے پھر اس کے بعد جس طرح بھی اُس کی خدمت
کر سکتا ہو کرتا رہے اور اُس کے حق کو ادا کرنے میں کبھی غفلت سے

کام نہ لے۔ قرآن کریم میں اللہ نے جا بجا قرابتداروں اور رشتہ داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ تاکید فرمائی ہے۔ سورۂ نسآء میں اللہ نے فرمایا ہے۔ آیت ۱)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ۔

یعنی جس اللہ کا تم واسطہ دے کر ایک دوسرے سے درخواست کرتے ہو اس سے ڈرو اور اپنے رشتوں کا خیال رکھو۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (سورۂ بنی اسرائیل ۲۶) یعنی رشتہ دار کو اس کا جو کچھ حق ہے وہ ادا کرو۔ قرابت اور رشتہ داری کے حق کو ادا نہ کرنے والے پر اللہ نے کئی جگہ قرآن کریم میں لعنت کی ہے اسی طرح ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک جو بات سب سے زیادہ قابل نفرت اور اس کے غضب کا باعث ہے وہ شرک ہے یعنی یہ کہنا کہ خدا کا کوئی شریک ہے اور اس کے بعد جو چیز سب سے بڑھ کر غضب خداوندی کا سبب ہوتی ہے وہ یہی قطع رحم ہے یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حق کا ادا نہ کرنا۔ خدا ہم سب کو رشتہ داروں سے محبت اور ان کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حُسنِ سُلوک

حُسنِ سُلوک سے مراد اچھا برتاؤ اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کے ساتھ پیش آنا ہے۔ یہ اسلام کی بہت بڑی تعلیم ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آلِ عمران/۱۵۹)

یعنی اے پیغمبرؐ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ تم لوگوں کے لیئے نرم دل ہو اور اگر بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے پاس سے اِدھر اُدھر چلے جاتے اور کوئی بھی نہ ٹھہرتا۔ اس طرح خدا نے یہ سمجھایا ہے کہ نرمی کا برتاؤ

اور حُسنِ سلوک آدمی کی بڑی اعلیٰ صفت ہے۔ غیر ہوں یا اپنے ہوں سب کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا چاہیئے، اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے کسی کے دل کو ٹھیس لگے یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی اسلام نے بُرے برتاؤ کی اجازت نہیں دی ہے۔ حُسنِ سلوک آدمی کی بڑی اعلیٰ صفت ہے اس سے آپس میں محبّت پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے قریب آجاتا ہے اور بڑے کٹّر دشمن بھی بہت گہرے دوست بن جاتے ہیں پھر اس دوستی اور محبّت کے بعد آپس کی زندگی کس قدر خوشگوار ہو سکتی ہے۔

اسلام یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں امن دامان ہو، لوگ خوشحال رہیں اور ہر ایک کے دل میں دوسروں کی محبّت والفت پیدا ہو جائے تاکہ سب سُکھ اور چین سے زندگی بسر کریں اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب ایک آدمی کا برتاؤ دوسرے کے ساتھ اچھا ہو اور اگر یہ چیز نہ ہوگی تو پھر آپس میں محبّت کیسے پیدا ہوگی بلکہ اگر برا سلوک ہوگا تو محبّت کے بجائے باہم ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ تمام جھگڑے اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب آپس میں

دشمنی ہو اور ایک کے دل میں دوسرے کی محبت نہ پائی جائے اور پھر یہی جھگڑے اور دشمنیاں ہی تو ہیں جو قوموں اور ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا کرتی ہیں جن کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے اخلاق، نرم دلی، محبت و الفت، رحم، مہربانی، ہمدردی اور حُسنِ سلوک کا برتاؤ نہیں کرتا۔

۸ھ ہجری میں مسلمانوں نے مکہ فتح کیا تھا جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اسلام کی عظیم فتح کے ساتھ مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے قُریش کے سرکش کافروں کے ایک بڑے مجمع کی طرف خطاب فرمایا۔ اور پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں لوگوں نے عرض کی اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ یعنی آپ ہمارے ایک شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے فرزند ہیں۔ یہ جواب سن کر حضور نے فرمایا "تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو" یہ تھا حُسنِ سلوک سرورِ دو عالم کا ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے آپ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اور جس قدر گستاخیاں ممکن تھیں وہ سب کر چکے

تھے۔ مگر آپ نے اُن سے کوئی انتقام نہ لیا اور سب کا قصور بخش دیا۔ اس حُسنِ سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور بہت ہی کم لوگ تھے جو اپنی ہٹ دھرمی پر باقی رہ سکے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نیک اور اچھے برتاؤ سے آدمی وہ کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے جو بڑی سے بڑی فوج اور بڑے سے بڑے اقتدار کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں کر سکتا اس لئے ہم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ اچھے سلوک اور اچھے برتاؤ کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے تاکہ ہمیں دنیا و آخرت میں عزت، کامیابی اور ہر دل عزیزی حاصل ہو اور خدا ہم سے خوش ہو۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۷۸۶

اُسوۂ رسول ﷺ

کی

پیروی کا حکم

قرآنِ حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (احزاب/۲۱)

یقیناً تمہارے لیئے رسول اللہ کا ایک اچھا نمونہ موجود ہے۔ ایسے شخص کے لیئے جو اللہ اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو"۔

اس آیت میں بنیادی طور پر ایک ایسی بات

فرمائی گئی ہے جس سے ہم زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ایسے عام اصول اور عام قاعدہ کو معلوم کر سکتے ہیں جس کے مطابق عمل کرنے سے ہمیں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ عام قاعدہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہر کام میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کی مقدس زندگی کو اپنے سامنے رکھیں۔ اس آیۂ کریمہ کا تعلق خاص طور پر جنگ کی حالت میں صبر کرنے اور ثابت قدمی سے ہے۔ مگر اس میں آپ کے اُسوۂ حَسَنہ اور آپ کی سیرتِ پاک کی عام پیروی کی طرف بھی صاف اشارہ موجود ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ آپ کو رسولؐ اللہ کے لقبِ خاص سے یاد کیا گیا ہے۔ رسول اللہ کے معنی ہیں وہ ذات جسے اللہ نے اپنے حکم پہنچانے کے لیئے اور ہدایت کرنے کے لیئے دنیا والوں کی طرف بھیجا ہو۔

اب تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب اللہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے تو آپ کے ہر حکم کی پیروی در اصل خود اُسی کے

حکم کی پیروی ہے کیونکہ اُس نے کسی ایسے شخص کو اپنی طرف سے ہدایت کی غرض سے کبھی نہیں بھیجا جو اُس کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہو یا اُس کی مرضی کو نہ جانتا ہو۔ وہ جسے بھی اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجتا ہے وہ درحقیقت زمین پر اُس کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔

اس طرح انسانوں کی ہدایت کے لیئے اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؑ بھیجے جن میں سے آخر میں ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور آپ کی ذات پر نبوّت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب قیامت تک کوئی نبیؑ نہ آئے گا۔ سرورِ انبیاء اللہ کے آخری نائب اور آخری رسولؐ ہیں اور آپ کی پاک زندگی کا ہر ہر پہلو ہمارے لیئے اور تمام انسانوں کے لیئے مشعلِ ہدایت ہے اور ہر چھوٹے بڑے کام میں چاہے وہ ہمارا نجی اور ذاتی کام ہو یا مُلکی اور قومی مسئلہ ہو یا ہمارے خاندان اور ہمارے گھر سے تعلق رکھتا ہو آپ کی مبارک زندگی ہمارے لیئے بہت بڑا سبق

ہے۔ اور اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم آپ کی سیرت پاک کی پیروی کریں اور اُسی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔

خُطبات

حصّہ دوم، سوم، چہارم، پنجم

از حضرت علامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

ریڈیو پاکستان سے نشر شدہ تقریروں کے مجموعات جن میں علاّمہ موصوف کی سیکڑوں تقریریں شامل ہیں، اسلامی معلومات کا انمول خزانہ، آفسٹ پر طباعت اعلیٰ کاغذ۔

ملنے کا پتہ

سی ۹۶، بلاک نمبر ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر:- ۶۸۳۰۲۵

۲۸۶

حضورِ اکرم کا استقلال

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس استقلال اور ثابت قدمی کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مثال تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ملتی۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ ہم حضورؐ اقدس کی طرح استقلال کا نمونہ نہیں پیش کر سکتے مگر ہمیں کوشش تو کرنا چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ آپ کی پیروی کریں اور آپ کے نقشِ قدم پر چلیں۔ حضورؐ نے جن سخت حالات میں اللہ کے دین کا سبق دیا اور لوگوں کو اس کی مشیّت اور اس کے احکام سے آگاہ فرمایا وہ بس آپ ہی کا کام تھا۔ عرب لوگ اُس وقت بت پرستی، ستارہ پرستی اور

دوسری معمولی معمولی چیزوں کی پرستش میں مبتلا تھے ۔ لوٹ مار
قتل اورخون ریزی ان کا روزہ کا مشغلہ تھا ۔ لڑکیاں پیدا ہوتے
ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور سکون و اطمینان سے زندگی
بسر کرنا کسی کے لیئے بھی ممکن نہ تھا ۔ ہر طرف جہالت اور ظلم و ستم
کا دَور دَورہ تھا ۔ ایسی حالت میں سرورِ کونین نے تنہا اسلام کی
آواز بلند کی ۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کی یہ آواز ساری دنیا کے بت پرستوں،
سرکشوں اور جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف ایک چیلنج تھا اور اس
کا نتیجہ یہی تھا کہ دنیا بھر کے تمام خود غرض لوگ آپ کی جان کے
دشمن بن گئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسلام نے ترقی کی تو اُن
کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور اُن کا اقتدار
ختم ہو جائے گا ۔ اور پھر یہی ہوا کہ آپ کے خلاف عرب کے چپہ چپہ
پر سازشوں کا جال بچھا دیا گیا اور آپ کو ہلاک کرنے کی ہر ممکن
کوشش کی گئی ، مگر سرورِ انبیاءؐ نے دشمنوں کے ہر حملہ کو پسپا کر دیا
اور بڑی سے بڑی قوت اور لالچ بھی آپ کے عزم و استقلال کو
اپنی جگہ سے نہ ہلا سکی ۔ آپ تیرہؔ برس تک اپنے اصلی وطن مکّہ
ہی میں رہے اور لوگوں کو ہدایت فرماتے رہے اُدھر مکّہ کے
مشرک آپ پر راستہ میں کوڑا پھینکتے تھے پتھر مارتے تھے اور

جب آپ عبادت میں مشغول ہوتے تھے تو آپ کے ساتھ طرح طرح سے توہین آمیز برتاؤ کیا کرتے تھے مگر ان میں سے کوئی برتاؤ بھی اور کسی قسم کی تکلیف بھی آپ کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکی اور آپ کی ثابت قدمی میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ اپنے جاں نثار اصحابؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے جو لوگ اس دنیا میں حق کی آواز بلند کرتے تھے انھیں آرے سے چیر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں سے اُن کے بدن کی کھال اتار دی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ حق کے راستہ پر قائم رہتے تھے اور کبھی باطل کے سامنے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اُن حق پرستوں نے خدا کی راہ میں تکلیفیں جھیلیں اور کبھی اپنی ثابت قدمی میں فرق نہ آنے دیا اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ مصیبتوں اور بلاؤں سے کبھی نہ گھبرائیں اور پورے استقلال کے ساتھ حق کے راستہ پر جمے رہیں۔ اسلام کی سب سے پہلی بڑی لڑائی وہ تھی جس کا نام "جنگِ بدر" ہے اس لڑائی میں آنحضرتؐ کی فوج میں صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی تھے اور قریش کی فوج ایک ہزار تھی جبکہ مسلمانوں میں سے کسی کے پاس بھی پورا اسلحہ موجود نہ تھا اور اُدھر قریش کا ہر سپاہی پوری

طرح مسلّح تھا اور انھیں مکّہ سے ہر قسم کی امداد مل رہی تھی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی فتح صرف سرورِ کائنات کے استقلال کی وجہ سے ہوئی۔ آپ کے عظیم استقلال اور ثابت قدمی کو دیکھ کر مسلمانوں میں جوشِ شجاعت بڑھ گیا اور آخر دشمن کو بھاری جان و مال کا نقصان اٹھا کر شکستِ فاش ہوئی۔

آج جو کچھ بھی مسلمانوں کو دنیا میں کامیابی نصیب ہوئی ہے وہ سب حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زبردست استقلال اور بے مثال ثابت قدمی ہی کا نتیجہ ہے۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے۔

۸۶ء

حضور اکرم کی شانِ رحمت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ
(سورۃ الانبیاء) قرآنِ حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے۔ "اے رسول ہم نے تمام عالموں کے لیے تمہیں رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔
بے شک سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سارے جہان کے لیئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ آپ اُس زمانہ میں تشریف لائے جب دنیا ظلم وستم اور بے رحمی سے بھری ہوئی تھی ہر طرف جہالت کا دَور دَورہ تھا۔ آدمی معمولی جانوروں کی طرح بیچے اور خریدے جاتے تھے۔ اُن کے خون کی کوئی قیمت نہ تھی کسی شخص کی عزت وآبرو اور مال وجائداد کی کوئی حفاظت نہ تھی اور جس کسی کو بھی موقع ملتا تھا وہ دوسرے کا مال لوٹ لیا کرتا تھا۔ لڑکیاں

پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اس لیئے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عورت ہر قسم کی ذلت اور رسوائی کی بنیاد ہے اور وہ چاہتے تھے کہ دنیا سے اس کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔

اُس زمانہ میں معمولی معمولی باتوں پر سالہا سال تک آپس میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور بڑی بے دردی کے ساتھ انسانوں کا خون بہایا جاتا تھا ایسے بھیانک وقت میں اللہ نے حضورؐ اکرم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ آپ اُس کے حکم دنیا والوں تک پہنچا دیں انسانوں کو رحم و کرم کا سبق دیں، ظلم و ستم کرنے سے منع کریں اور اُن انسانوں کو جو ظلم و جبر اور بیدردی اور ناانصافی میں دبے ہوئے تھے اور سسک رہے تھے۔ اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ حضورؐ کے رحم و کرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور کبھی کسی غلام یا نوکر بلکہ کسی جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کبھی کسی شخص کی جائز درخواست کو رد نہیں کیا۔ آپ جس مقام پر لوگوں سے ملاقات کے لیئے بیٹھا کرتے تھے وہاں جگہ بہت تھوڑی ہوتی تھی اور جب بہت آدمی آجاتے تھے تو پھر جگہ باقی نہ رہتی تھی۔

اس کے بعد جو لوگ حاضر ہونا چاہتے تھے انھیں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی تو آپ اُن بعد میں آنے والوں کے لیئے خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیا کرتے تھے اور انھیں اس پر بٹھاتے تھے لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اُس کے ذمہ پر کسی کا کچھ قرضہ ہو تو اس کی حضورِ اکرمؐ کو اطلاع دی جائے۔ آپ خود ایسے لوگوں کا قرضہ ادا کیا کرتے تھے اور جو ترکہ وہ چھوڑ جاتا تھا وہ سب اُس کے وارثوں کو عطا فرما دیا کرتے تھے اور اُس ترکہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی تھی۔ آپ راتوں کو اٹھ کر مہمانوں کی خبرگیری فرمایا کرتے تھے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر کوئی مہمان آگیا اور جو کچھ گھر میں موجود ہوا وہ سب اُس کی مہمانی میں صرف ہوگیا اور آپ کے گھر والے فاقہ سے سو رہے لیکن کبھی مہمان کی راحت میں کمی نہیں ہونے دیتے تھے۔

مسلمان جب سب مل کر کوئی کام کرتے تھے تو سرورِ کائناتؐ بھی اُن کے ساتھ کام کرنے میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد جب حضورؐ مدینہ میں تشریف لائے اور مسجد نبوی بنائی جانے لگی تو صحابہؓ کرام کے ساتھ خود آنحضرتؐ بھی ایک معمولی مزدور کی طرح تعمیر کے کام میں شریک تھے لوگ عرض کرتے تھے کہ حضورؐ

کیوں تکلیف فرماتے ہیں جبکہ ہم آپ کے خادم اور جان فدا کرنے والے موجود ہیں مگر آپ اپنے ہاتھوں سے بھاری پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور مسجد کا کام کرتے رہتے تھے اسی طرح خندق کی جنگ میں خندق کی کھدائی کے کام میں بھی آپ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک مزدور کی طرح کام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے گھر کا کام خود ہی کرتے تھے۔ غلاموں اور کنیزوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ فقیروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور کبھی اپنے آپ کو امتیاز دینے کی کوشش نہیں فرماتے تھے اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جاتا تھا تو چاہے وہ کتنا ہی غریب ہو اُس کے گھر جا کر اُس کی مزاج پرسی کیا کرتے تھے آپ نے اپنے سخت ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا اور اُن سے قصاص نہ لیا۔ قُریش کے مشرکوں نے آپ کو جسقدر تکلیفیں پہنچائیں وہ سب جانتے ہیں مگر فتحِ مکّہ کے موقع پر آپ نے سب کا قصور معاف کر کے دنیا کو بتا دیا کہ رحم د کرم کسے کہتے ہیں حالانکہ آپ چاہتے تو انھیں بدترین سزائیں دے سکتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ مسکین ہی دنیا سے اُٹھا اور مسکینوں اور غریبوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔ آپ پر جو لوگ ظلم کیا کرتے تھے انہیں آپ دعائیں دیتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے بارالٰہا! تو ان سب کو معاف فرما دے یہ نادان ہیں۔ خدا ہم سبکو بھی اُسوۂ رسُول پر عمل کی توفیق دے۔

۲۸۶

نماز برائیوں سے روکتی ہے

سورۂ عنکبوت میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ط (آیت ۴۵)

(ترجمہ) بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

یہ بات جسے قرآن حکیم میں اللہ نے فرمایا ہے یعنی نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو اسے ہم بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ نماز ہمارے بدن اور ہمارے اعضاء کے صرف چند حرکات کا نام نہیں بلکہ نماز ایک عبادت ہے جس میں اللہ کی بزرگی اور عظمت کا پورا خیال رکھنا ہر نماز پڑھنے والے کے لیئے ضروری ہے اور درحقیقت یہ نماز خدا کی بارگاہ میں حضوری کی ایک خاص شکل ہوتی ہے اور جب کوئی مسلمان سچے

دل سے نماز پڑھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کر رہا ہے اور اُس کے سامنے اپنی کچھ حاجتیں عرض کر رہا ہے۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ سے نہ تو کوئی بڑا ہے اور نہ اُس سے زیادہ کسی کو قدرت حاصل ہے۔ پھر اُسے یہ بھی یقین کامل ہوا کرتا ہے کہ جس اللہ کے سامنے مجھے حاضری دینا ہے وہ میری تمام باتوں کو یہاں تک کہ جو کچھ میرے دل کے اندر ہے اُسے بھی جانتا ہے اور اس سے میں کوئی بات کبھی نہیں چھپا سکتا۔

اگر ایک نمازی ایسے خلوص کے ساتھ نماز پڑھے گا تو پھر وہ کس طرح برائیوں کے قریب جا سکتا ہے کیونکہ جب بھی وہ کسی برائی کا ارادہ کریگا اسے اس برائی سے اس کا یہ یقین روک دیگا کہ اللہ میرے اس عمل سے واقف ہے اور مجھے اس کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے دن اور رات میں جو انسان پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ اس خلوص اور پکّے یقین اور عقیدے کے ساتھ نماز پڑھے گا وہ کبھی برائیوں کے قریب نہیں جا سکتا مگر جو نماز کو صرف ایک معمولی مشغلہ کی طرح پڑھتا ہو اور اللہ کی بڑائی اور بزرگی کا تصوّر نہ رکھتا ہو تو اُس کے لیئے ظاہر ہے کہ یہ نماز کی صرف شکل و صورت

فائدہ مند نہ ہو گی اسی لیئے جو لوگ سچے دل اور پورے خلوص اور گہرے یقین کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ بُرائیوں سے بھی نہیں بچتے مگر جو سچے نمازی ہوتے ہیں وہ کبھی جان بوجھ کر گناہ اور بُرائی کے کام نہیں کیا کرتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً انھیں یہ یاد آجاتا ہے کہ ہمارا اللہ ہر چیز سے واقف اور باخبر ہے اس لیئے ضرور وہ ہمارے اس گناہ اور برے عمل کو بھی جانتا ہے بس یہ خیال آتے ہی وہ نیک لوگ اللہ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور اللہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول بھی فرماتا ہے۔ غرض نماز اگر سچے دل سے پڑھی جائے تو وہ خدا کی معرفت اور اس کا خوف پیدا کرتی ہے اور پھر نماز پڑھنے والا بُرائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور یہی اس آیت کا مقصود ہے جسے میں نے ابھی بیان کیا ہے یعنی وہ نماز جو حقیقت میں نماز ہو اور صرف دکھاوے کی نماز نہ ہو یقیناً بُرے اعمال اور گناہوں سے روکتی ہے۔

علاوہ اس کے کہ خلوص کے ساتھ نماز پڑھنے سے دل میں خدا کا خوف بیٹھ جاتا ہے اور نفس میں پاکیزگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک مخلص اور سچا نمازی گناہوں اور برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ خود نماز پڑھنے کے خاص عمل سے بھی بہت سی بُرائیاں

دور ہو جاتی ہیں۔ دیکھیے! جب کوئی شخص نماز پڑھے گا تو اپنے بدن
اور کپڑوں کو پاک رکھے گا اور یہ بھی دیکھے گا کہ اُس کا لباس اور جس
جگہ وہ نماز پڑھتا ہے غصب کی ہوئی نہ ہو یعنی ایسا لباس یا ایسی
جگہ نہ ہو جو کسی غیر کی ملکیت ہو اور اس کی مرضی کے خلاف یہ شخص اس
میں نماز پڑھے، وہ وقت کی پابندی بھی کرے گا صبح کو سویرے اُٹھنے
کا عادی بنے گا نمازِ جماعت پڑھنے سے ایک دوسرے کے تعلقات پیدا
ہوں گے آپس کی محبت بڑھے گی۔ ایک کو دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوگی غریبوں
اور لاچاروں کی امداد و اعانت کا جذبہ ابھرے گا۔ باقاعدہ پابندی کے ساتھ
نماز پڑھنے سے طبیعت میں نظم و ضبط پیدا ہوگا اور دوسرے کاموں میں
بھی ضبط اور استقلال کی عادت پڑے گی پھر اور لوگوں کے ساتھ
جماعت کی نماز میں شریک ہونے سے اسلامی مساوات اور برابری کا سبق ملے
گا اور یہ پتہ چلے گا کہ اللہ کے سامنے غلام اور آقا محکوم اور حاکم، امیر اور فقیر سب
برابر ہیں اسلئے غرور و تکبر کی جڑیں کٹ جائینگی غرض اسی طرح کی بہت سی اچھائیاں
پیدا ہوتی ہیں اور بہت سی برائیاں ہیں جو نماز پڑھنے سے دور ہو جاتی ہیں اور
مسلمانوں کے عمل اور انکی نیت میں وہ پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جاتی ہے جو سچے ایمان
اور اسلام کی علامت ہے خدائے پاک ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی اُس کے
مخلص نمازیوں میں شمار کئے جائیں۔

۲۸۶

حلم و بُردباری

"حلم اور بردباری" کے لفظ آپ اپنے بزرگوں سے سنتے ہونگے اور دوسروں سے بھی سنتے ہوں گے۔ تو اب ہمیں اسے بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے اور "حلم و بردباری" کس بات کو کہتے ہیں مختصر لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی شخص سے اپنا انتقام اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہو مگر ہم اس تکلیف کا بدلہ اس سے نہ لیں جو اس نے ہمیں پہنچائی ہے اور اسے معاف کردیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص ہم کو زبانی یا جسمانی طور پر کوئی ایسی اذیت پہنچائے گا جس کا اس کو کوئی قانونی حق نہ ہو تو ہم پوری طرح اس کے حقدار ہوں گے کہ اُس سے اپنا بدلہ لیں اور جبکہ اس انتقام اور بدلا لینے پر ہمیں پوری قدرت بھی حاصل ہو تو اس انتقام لینے میں ہمارے لیئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ مگر

اسلام ہمیں اس کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی قدرت وطاقت کے باوجود انتقام نہ لیں اور اُس شخص کو جو ہر طرح ہمارے قابو میں ہے معاف کر دیں اور بخش دیں اور اُس تکلیف کو برداشت کر لیں اور ضبط کر لیں جو اس کی وجہ سے ہمیں پہنچی ہے، کسی شخص نے سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کئی بار عرض کیا کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے تو آپ نے اُس کے ہر سوال کے جواب میں یہی فرمایا کہ تم بردباری اختیار کرو اور غصّہ نہ کرو اور جب بھی تمہیں کسی پر غصّہ آجائے تو اُس کو ضبط کرو اسی سلسلہ میں آپ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ پہلوان وہ شخص نہیں ہے جو اپنے مقابل کو زیر کر لے اور پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جسے غصّہ کے وقت اپنے اوپر قابو ہو اور وہ اپنے غصّہ کو ضبط کر لے۔ حلم وبردباری کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے بڑے خطروں اور بڑی بڑی مصیبتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ غصّہ کے وقت تو اُس کے حواس صحیح ہوتے نہیں اور بس انتقام کی آگ ہوتی ہے جس کے شعلے اُس کے دل میں بھڑکتے رہتے ہیں اور اُس کی طبیعت یہی چاہتی ہے کہ جس صورت سے بھی ممکن ہو میں اپنا انتقام لیکر اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کر لوں۔ اُس وقت نہ تو قانون کا خیال رہتا ہے اور نہ نتائج کی پروا ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ بات پوری طرح ممکن ہے کہ انسان

کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس کے نتیجہ میں نہ صرف اُس کی ذات بلکہ خاندان اور پورا معاشرہ تباہی کی لپیٹ میں آجائے۔ محترم قارئین آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ ایک ذرا سی اور ننھی سی چنگاری بڑے بڑے گوداموں اور بڑی بڑی عمارتوں کو جلا کر خاک کر دیا کرتی ہے۔ بس اسی طرح غصّہ کی حالت میں کوئی ایسی غلطی بھی ہو سکتی ہے جس سے خود غصّہ کرنے والے کی اپنی اور دوسروں کی زندگی ہمیشہ کے لیئے تباہ ہو جائے اس لیئے حلم اور بردباری کی وجہ سے ہم ایسی ہر غلطی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ بات بھی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ حلم و بردباری کسی خوف، دباؤ، لالچ یا کسی اور وجہ سے نہ ہو بلکہ صرف اس لیئے اِس صفت کو اختیار کیا جائے کہ یہ ایک اچھی صفت ہے اور اللہ نے ہماری بہتری کے لیئے ہمیں اِس کا حکم دیا ہے۔ قرآن حکیم میں بڑی کثرت کے ساتھ اللہ کی ذات اقدس کے لیئے "حلیم" یعنی بردبار اور حِلم کرنے والے کا لفظ بولا گیا ہے۔ یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ اللہ کو نہ کسی کا ڈر ہے اور نہ وہ کسی اور وجہ سے بردباری پر مجبور ہے۔ اُس کے عذاب اور اُس کی سزا کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رحم

فرماتا ہے اور اُن کے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔ اِسی کے ساتھ چونکہ بعض انسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ رحم و کرم سے غلط اور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اِس لئے قرآن میں اللہ کی بخشش و کرم اور رحم و حِلم کے ساتھ اُس کی قہاریت کا بھی ذکر کیا گیا ہے تاکہ نہ تو اُس سے کوئی مایوس ہوسکے اور نہ سرکشی کرسکے۔ غرض ہر حال میں حِلم و بُردباری کی صفت قابلِ تعریف ہے۔ اب رہیں وہ صورتیں جہاں اس حلم کی وجہ سے کسی برائی کو شہ ملتی ہو تو اس بُرائی کو محض ایمانی جذبہ کے تحت دفع کرنے کی کوشش کی جائے جس میں کسی قسم کا شائبہ اپنی تکلیف پر انتقام یا بدلہ لینے کا شامل نہ ہو۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے۔

۷۸۶

عفو و درگذر

عفو کرنے اور درگذر کرنے کی اسلام نے بڑی تاکید کی ہے اور یہ ایسی صفت ہے جسے قرآن کریم میں خود اللہ کی ذات کے لیئے بھی بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا درگذر کرنے والا ہے۔ پھر اُس نے اس کا بھی حکم دیا ہے، کہ اُس کے بندے بھی اپنی ذات میں یہ اعلیٰ صفت پیدا کریں اور قصور و خطا کرنے والوں کو بخش دیا کریں تاکہ انھیں اس عفو و درگذر کرنے پر دنیا میں بھی طرح طرح کے فائدے حاصل ہوں اور آخرت میں بھی ثواب ملے۔

(آیت ۳۴) سورۂ شوریٰ میں اللہ کی بخشش اور عفو کے لیئے فرمایا گیا ہے۔ "وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ" اور وہ بہت کچھ معاف کردیتا ہے، پھر

سورۂ طٰہٰ / ۸۲ میں ہے: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى " بے شک میں بڑا بخشنے والا ہوں اُس شخص کو جو توبہ کرے اور ایمان اختیار کرے اور نیک عمل کرے اور ہدایت کی راہ پر قائم بھی رہے۔ یہ بات ظاہر بھی ہے کیونکہ اگر اللہ عفو و درگذر سے کام نہ لے تو یہ ساری کائنات دم بھر میں فنا ہو جائے بس اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے بھی جذبۂ بخشش و درگذر سے کام لیں اور لوگوں پر رحم کرنے اور اُن کی خطاؤں کو بخشنے کے عادی بن جائیں۔

(آیت ۲۲) سورۂ نور میں اللہ نے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "لوگوں کو چاہیئے کہ وہ خطاؤں کو معاف کیا کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے" اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ صاحبانِ ایمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب اُنھیں غصہ آجاتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ (شوریٰ) آیت ۳۷

اس طرح ہمیں اسلام نے اس بات کی ہدایت کی ہے کہ ہم معافی دینے اور خطا کو بخشنے کی صفت اپنے نفس میں پیدا کریں خاص طور پر ایسی حالت میں جب غصہ اور غیظ و

غضب کی وجہ سے آدمی اپنے قابو میں نہیں رہتا کسی کا قصور معاف کر دینے میں بے حد ثواب ہے اور یہ اُس کے ایمان کی بہت بڑی نشانی ہے مگر یہاں اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ عفو و درگذر کی صفت اسی وقت قابل تعریف ہو سکتی ہے جب کسی کو کسی شخص سے انتقام لینے یا اُس کو سزا دینے پر پوری قدرت اور پورا قابو بھی حاصل ہو اور وہ اپنی بے بسی اور کمزوری کی وجہ سے معاف کر دینے پر مجبور نہ ہو جائے کیونکہ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اس کی یہ بخشش جبری ہو گی، اختیاری نہ رہے گی اور اس طرح وہ قابل تعریف نہ رہے گی۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک صحابی ابو مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ یکایک میری پشت کی طرف سے کسی کی آواز آئی " جان لو، جان لو " میں نے مڑ کر جو دیکھا تو خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابو مسعودؓ جس قدر تم کو اس غلام کو سزا دینے پر قدرت اور طاقت حاصل ہے اس سے بہت زیادہ

تم پر تمہارے پروردگار کو قدرت حاصل ہے" بس یہ سن کر ابو مسعودؓ اس قدر شرمندہ اور متأثر ہو گئے کہ پھر عمر بھر انھوں نے کبھی کسی غلام کو نہیں مارا۔

ایک حدیث میں حضرت سرور کائنات نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ عفو کرنے والے کی عزّت ہمیشہ بڑھاتا ہی رہتا ہے۔

ہم سب مسلمانوں کو چاہیئے کہ بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں اپنے نفس میں عفو در گذر کی عادت پیدا کریں تاکہ ہم سے خدا خوش ہو اور دنیا و آخرت میں ہمیں اس کا ثواب حاصل ہو۔

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے۔

۷۸۶

نیکی کا پھیلانا

اور

برائیوں سے روکنا

دنیا میں ہمیشہ تباہیاں اس سبب سے آتی رہی ہیں کہ لوگوں نے برائیوں کو روکنے کی کوشش نہ کی اور اچھائیوں اور نیکیوں کو نہیں پھیلایا جب کبھی ایسا ہوا تو اس کے نتیجہ میں لوگ مصیبتوں اور بربادیوں میں پھنس گئے مگر جب ایسا نہ ہوا اور نیکیوں کو پھیلانے کی کوشش کی گئی اور برائیوں کے روکنے کی، تو ہمیشہ اس سے سب کو فائدہ پہنچا اور ہر شخص خوشحال ہو گیا۔

دیکھیئے ایک بات پوری طرح یاد رکھیئے کہ صرف نیکی کا پھیلا دینا قطعاً بے فائدہ ہوگا اگر اس کے ساتھ برائیوں کو نہ روکا جائے یعنی یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ ہونا چاہئیں الگ الگ نہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھیئے کہ جیسے کوئی شخص بیمار ہو تو آپ اس کا علاج کریں گے اور اس کو دوائیں دیں گے تاکہ وہ اچھا ہو جائے۔ لیکن اس علاج کا فائدہ اُسی وقت ہوگا جب وہ مریض ان باتوں سے پوری طرح پرہیز کرے جو اس کے مرض کو بڑھانے والی ہیں اور اس کے لیئے زہر کا سا اثر رکھتی ہیں۔ ایسا علاج بالکل بیکار اور ایسی دوائیں قطعی طور پر بے اثر ہیں جن کے ساتھ نقصان کے پہلوؤں کی روک تھام نہ کی جائے ڈاکٹر کتنا ہی بڑا ہو اور دوائیں کیسی ہی لاجواب ہوں لیکن علاج بیکار ہو جاتا ہے جب تک نقصان دینے والی چیزوں کو نہ روکا جائے اس لیئے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاشرہ میں نیک اور اچھی باتوں کو پھیلائیں تو ہمیں اس کے ساتھ ہی اس کی بھی بھرپور کوشش کرنا چاہیئے کہ برائیوں کو روک دیں۔

قارئین کرام اس گفتگو سے آپ اس چیز کو پوری طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے ملک میں یا دوسرے ملکوں میں نیکیاں پھیلانے کا اور وعظ و نصیحت کا اثر کیوں خاطر خواہ طریقہ پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم برائیوں کو سمجھنے اور پھر ان کو روکنے کی کوشش میں بڑی سستی کرتے ہیں، دوسرے ملکوں اور دوسرے لوگوں کی بد اخلاقیوں اور برائیوں کے منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہر وقت بڑی آزادی سے آتے رہتے ہیں اور ہماری طبیعت میں جو کچھ بھی برائی کا جذبہ پایا جاتا ہے اس میں وہ پیٹاور کے اندر کی چنگاری کا کام دیتے ہیں۔ اس طرح دوسرے ملکوں کی برائیاں یا دوسرے خاندانوں، گھروں اور دوسرے لوگوں کی برائیاں ہماری اندرونی برائیوں سے ملکر بدی اور خرابی کا ایک طوفان کھڑا کر دیتی ہیں اور پھر ظاہر ہے کہ اچھائیوں کے پھیلانے کا کیا اثر باقی رہ سکتا ہے اس لئے یہ بات بے حد ضروری ہے کہ ہم نیک کام کرنے کے ساتھ ہی اپنے آپ کو برائی سے بھی روکیں اور اسی طرح نیک باتوں کے پھیلانے کے ساتھ ہی پوری شدت

اور بھرپور کوشش سے دوسروں کے لیئے بھی برائیوں کے دروازے بند کردیں تاکہ اچھائیاں اور نیکیاں اپنا پورا اثر کرسکیں جس قوم کے پاس نشرواشاعت کے بہترین وسیلے موجود ہوں مثلاً ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والے اخبارات، اسی طرح ریڈیو، ٹیلیویژن اور بے شمار تفریح گاہیں اگران تمام وسیلوں کو بھرپور طریقہ پر بُرائیاں مٹانے اور نیکیاں پھیلانے کے لیئے وقف کردیا جائے اور خود ہر آدمی اپنی ذاتی کوشش بھی اس مقصد میں لگادے توپھر معاشرہ کس قدر صاف ستھرا ہوسکتا ہے۔ اور اس میں جرم، بد اخلاقی اور برائی نام کے لیئے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلام نے ہمیں اسی کی ہدایت کی ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

پرہیزگاری

اپنے آپ کو بُری باتوں اور گناہوں سے بچانے کا نام پرہیزگاری ہے۔ اسی کو عربی زبان میں تقویٰ بھی کہتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں یہ بات کس طرح معلوم ہو کہ بُری بات کیا ہے اور اچھی بات کیا ہے گناہ کسے کہتے ہیں اور نیکی کس چیز کا نام ہے کیونکہ ایک ہی بات کو ایک آدمی بہت بُرا سمجھتا ہے، اور دوسرا اُسے بہت اچّھا جانتا ہے پھر یہ کیسے طے کیا جائے کہ کونسی چیز واقعی طور پر اچھی ہے اور کونسی چیز واقعی

حیثیت سے بُری ہے جبکہ ہر شخص کے دماغ میں ایک الگ خیال ہوتا ہے اور ہر زبان پر الگ الگ باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اس طرح مختلف ملکوں، قوموں خطوں اور طرح طرح کی تہذیبوں کے حالات کو پڑھنے کے بعد آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجائیگی کہ کسی ایک نظریہ اور ایک بات پر دنیا کے تمام انسانوں کا اتفاق کر لینا عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔ اس لیئے اس کے علاوہ ہمارے لیئے کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں ہے کہ اچھائی اور برائی کا تعیّن صرف اس طرح کریں کہ اللہ نے جس چیز کو بُرا قرار دیا ہے وہ بُری ہے چاہے دنیا کا کوئی شخص بھی اسے اچھا کہتا ہو اور جس چیز کو اللہ نے اچھا کہا ہے وہی اچھی ہے خواہ اُس کو کوئی بھی برا سمجھتا ہو۔ تو اب اچھائی اور برائی کا معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ ہم احکام خداوندی ہی پر عمل کریں اور اُسی بات کو بُرا سمجھیں جسے اللہ نے بُرا کہا ہے اور اپنے رسولِ برحق صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذریعہ سے ہمیں اُس کی بُرائی

بتائی ہے اور اچھا اُسی چیز کو خیال کریں جس کی
اچھائی ہمیں شریعت کے وسیلہ سے سمجھا دی گئی ہے
اس وضاحت کے بعد اب ہم بڑی آسانی کے ساتھ
پرہیزگاری کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں یعنی پرہیزگاری
اس بات کا نام ہے کہ ہم احکام خدا و رسُولؐ پر
پوری طرح عمل کریں۔ جس بات سے منع کیا گیا ہے
اس کو نہ کریں اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر
عمل کریں۔ اگر ہم نے اس راستہ کو چھوڑ دیا تو ہم
کبھی بُرائی اور اچھائی کا تعین نہ کر سکیں گے اور نہ
طاعت وگناہ کا معیار مقرر کر سکیں گے۔ یہی
پرہیزگاری وہ چیز ہے جس سے ہمیں دنیا اور آخرت
کی تمام کامیابیاں حاصل ہوسکتی ہیں اور اسی پرہیزگاری
میں انسان کی عزّت اور بڑائی ہے۔ چاہے وہ غریب
ہو یا دولت والا ہو، فقیر ہو یا بادشاہ ہو، یا کسی بھی
رنگ، نسل، قوم اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر
وہ پرہیزگار ہے تو اللہ کے نزدیک عزّت والا ہے۔
اور اگر پرہیزگار نہیں ہے تو بارگاہِ خداوندی میں

اُس کی کوئی بھی عزّت نہ ہوگی ۔ اللہ نے قرآن حکیم میں اس کا صاف اعلان فرمایا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حُجُرات ۱۳/)

تم میں سب سے زیادہ عزت والا خدا کے نزدیک وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔

علاّمہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جا سکتی ہے

۲۸۶

قوم کا نصب العین

نصب العین کہتے ہیں "اصلی مقصد" کو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ کسی قوم کا اصلی مقصدِ زندگی کیا ہوتا ہے۔

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اللہ نے انسان کی پیدائش اس طرح کی ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کا محتاج رہتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی کام میں بھی کسی دوسرے شخص کی مدد حاصل نہ کرے، تو وہ نہ تو زندگی بسر کر سکتا ہے اور نہ ترقی ہی کر سکتا ہے رہنے سہنے، کھانے پینے، بیماری، موت اور اس دنیاوی

زندگی کی ساری ہی باتوں میں آپس کے تعاون کے بغیر کسی کے لیئے بھی زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ لوگوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک دیوار ہو یعنی جس طرح اینٹیں اور پتھر آپس میں ایک دوسرے سے نہ ملیں گے دیوار نہیں بن سکتی اور نہ کوئی مکان تیار کیا جا سکتا ہے۔ بس اسی طرح جب تک تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کریں گے اُس وقت تک کوئی جماعت اور کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ اُس کے افراد ترقی کرنے کے قابل بن سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر ظلم نہ کرے، اُس کا حق نہ مارے، اُسے تکلیف نہ پہنچائے اور الہٰی قانون نے جو حد اُس کے لیئے معیّن کر دی ہے اُس کی خلاف ورزی نہ کرے کیونکہ اگر ان قانونی حدوں کی خلاف ورزی ہوگی تو جھگڑے اور فساد ہوں گے، جائدادیں تباہ ہوں گی جانیں ضائع ہوں گی اور قوم کا سارا نظم و ضبط برباد ہو کر رہ جائے گا آپس میں دشمنیاں پیدا ہوں گی، کوئی

کسی کا شریکِ حال نہ رہے گا اور پوری جماعت اور قوم ذلّت و رسوائی کے گہرے غار میں گرکر فنا ہو جائے گی۔

اس گفتگو سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم کا اصلی مقصد اور واقعی نصب العین صرف یہ ہوتا ہے کہ اُس کے افراد میں بھرپور نظم و ضبط ہو، ہر شخص قانون کی پابندی کرے، ہر شخص دوسرے کی بھلائی کا پورا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اُس کی حق تلفی ہوتی ہو اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرے۔ بڑے چھوٹوں کے ساتھ رحمدلی سے پیش آئیں۔ چھوٹے بڑوں کی تعظیم کریں اور اُن کا حکم مانیں۔ تاجر اپنے خریدار کو لوٹنے اور دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔ لوگ فضول باتوں میں اپنی کمائی برباد نہ کریں۔

غرض قوم کا نصبُ العین یہ ہوتا ہے کہ اُس کے افراد اَمن اور چین سے زندگی گزاریں دینی اور

دنیوی ہر قسم کی ترقی اور کامیابی حاصل کریں اور اپنے دشمنوں کی گرفت سے ہر طرح محفوظ رہیں اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ پوری قوم آپس میں متحد ہو، ہر ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کرے۔ ہر شخص قوم کو اپنی ذات پر ترجیح دے اور اللہ کے بنائے ہوئے نظامِ عدل و انصاف کے مطابق زندگی بسر کرے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کیجا سکتی ہے

۷۸۶

سعی و عمل

ہم سب کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے
کہ اسلام نے انسان کو بیکاری اور بے عملی کی تعلیم نہیں
دی ہے بلکہ جس طرح اُس نے لوگوں کو سعی و کوشش
پر اُبھارا ہے اس کی مثال دوسری قوموں میں کہیں بھی نہیں
ملتی۔ یہاں پر یہ بات بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن و
حدیث میں ہمیں جو توکّل کا یعنی اللہ کی ذات پر بھروسا رکھنے
کا حکم دیا گیا ہے اُس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم کو
سعی و عمل سے روکا گیا ہے اور اس کی تعلیم دی گئی ہے
کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے

کہ ہم اللہ کی قدرت و طاقت پر بھروسا کر کے بھرپور کوشش کریں تاکہ اس بھروسے کی وجہ سے ہماری قوتِ عمل میں اور زیادہ زور پیدا ہو جائے۔

آپ نے قرآنِ حکیم کا سورۃ النجم تو پڑھا ہی ہوگا اس میں اللہ کا ارشاد ہے (آیہ ۳۹) ترجمہ یہ ہے کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح سورۃ اعراف میں اُس نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں اقتدار عطا کیا ہے اور اس کے اندر تمہارے لیئے زندگی کے سامان پیدا کیئے ہیں۔ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب تک سعی و کوشش نہ کرے گا وہ اس کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو حاصل نہیں کر سکتا اور نہ وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ جب کبھی تم میں سے کوئی شخص کچھ کام کرے تو اس کو پوری کوشش اور پوری مضبوطی کے ساتھ انجام دے۔

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ "بے عملی

اور بیکاری آدمی کے دل کو سخت کر دیتی ہے یعنی اُس میں قساوت اور سنگدلی پیدا کر دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے لیئے یا اپنے اہل و عیال کے لیئے یا اپنے کسی مسلمان بھائی کے لیئے کسی نیک اور اچھی بات کی سعی و کوشش کرتا ہے تو ایسے مسلمان کو اُس کوشش کے بدلے میں جہاد کا ثواب ملتا ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ایک صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کے فرزند کا انتقال ہو گیا تھا تو انھوں نے اُس کے غم میں اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر اپنے ہی گھر کے ایک حصّہ میں دن رات عبادت کرنا شروع کر دی اس کی خبر جب حضورؐ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں دنیا کو بالکل چھوڑ دینے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اسکا حکم دیا ہے کہ ہم ہر حال میں اپنی کوشش اور سعی کو جاری رکھیں اور اُس طریقہ پر عمل کریں جو اللہ نے جائز کیا ہے یعنی عبادت کے وقت عبادت کریں اور دوسرے وقت زندگی کے دیگر جائز ضروریات کو پورا کریں۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے کیسی اچھی بات ہمیں تعلیم دی ہے جس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ انسان کو وہی مرتبہ ملتا ہے جس کے لیئے وہ سعی و کوشش کرکے اپنے آپ کو اُس کے قابل بناتا ہے اس لیئے تم ہمیشہ اس کی کوشش کیا کرو کہ تمہیں بہت بلند مرتبہ حاصل ہو۔

غرض اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ انسان کی بہتری صرف اسی بات میں ہے کہ وہ کسی حال میں بھی بے عمل نہ رہے اور کسی وقت بھی سعی و کوشش سے غافل نہ ہو، اسی میں اُس کی کامیابی اور نجات ہے۔

علامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

۷۸۶

والدین کے حقوق اولاد پر

اور اولاد سے متعلق والدین کی ذمہ داریاں

قرآن حکیم میں اللہ کا فرمان

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف/۱۵)

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہے۔ اس کی ماں نے اسے بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی تکلیف کے ساتھ پیدا کیا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ٥ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ٥ (بنی اسرائیل ۲۳/۲۴)

اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور

ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو پھر اگر تمہارے سامنے وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں اُن میں سے ایک یا دونوں تو ان کے مقابلہ میں اُف تک نہ کرنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے رحم دلی کے ساتھ انکسار سے جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپنے میں پرورش کیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الآية)

(نساء ۳۶)

اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو بھی اُس کا شریک نہ بناؤ اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہو۔ ایک اور جگہ قرآن میں خدا نے فرمایا:

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (الآية) (بقرہ ۲۱۵)

(اے رسُول) تم لوگوں سے کہدو کہ جو کچھ تم نیک کاموں میں خرچ کرو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیئے کرو (اور اُن لوگوں کے لیئے جن کا آیت میں آگے ذکر کیا گیا ہے)

ارشاداتِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

(ترجمہ) حضورؐ نے فرمایا: اللہ کا کسی کو شریک نہ بناؤ خواہ تمہیں

آگ میں جلا دیا جائے اور اپنے والدین کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو اور ہمیشہ اُن کے حکم پر عمل کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

(اصول کافی ج ۲ صـ ۱۵۸)

کسی شخص کے بار بار اس سوال کے جواب میں کہ میں کس کے ساتھ نیک سلوک کروں حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد کیا: اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر چوتھی مرتبہ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ (بخاری ج ۲ صـ ۸۸۳ اصول کافی ج ۲ صـ ۱۵۹ - ترمذی صـ ۲۸۲ وغیرہ)

حضور انور کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی - مجھے جہاد کا بڑا شوق ہے - آپ نے فرمایا پھر تم جہاد میں شریک ہوا کرو کیونکہ اگر تم شہید ہو گئے تو تمہیں دائمی زندگی ملے گی اور اللہ کی بارگاہ سے رزق ملتا رہیگا اور زندہ رہ گئے تو تمہارے پچھلے گناہ سب معاف ہو جائیں گے۔ اُس نے عرض کی میرے بوڑھے ماں باپ موجود ہیں اور وہ مجھ سے بہت محبّت کرتے ہیں اور مجھے اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے - حضورؐ نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو پھر تم ان کے پاس ہی رہا کرو اور جہاد میں شریک نہ ہو - اُس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے، تمہارا اپنے ماں باپ کے پاس اُنکی تسلّی کے لیئے فقط ایک رات دن موجود رہنا سال بھر برابر جہاد کرتے رہنے سے افضل ہے - (یہ بات اُس وقت ہوگی جبکہ کسی پر جہاد کرنا از روئے شرع واجب معیّن نہ ہو جائے - رضی) (اصول کافی ج ۲ صـ ۱۶۰) -

اسی قسم کے مضمون کی حدیث بخاری ج ۲ صہ ۲۸۳ وغیرہ میں بھی ہے —

حضورؐ نے فرمایا: (جو بات حکمِ خدا کے خلاف نہ ہو) اس میں جو کچھ ماں باپ کی مرضی ہو اسی میں اللہ کی رضا ہے اور جس چیز میں ان کی رضا نہ ہو اُس میں اللہ کی بھی رضا نہیں ہوتی (حضور کا یہ بھی ارشاد ہے): کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ "شرک" ہے پھر اُس کے بعد والدین کی نافرمانی (ترمذی صہ ۲۸۳ - اَلْخُلُقُ الکَامِل ج ۳ صہ ۸۵ بحوالہ طَبرانی وغیرہ)

حضورؐ نے فرمایا: جن گناہوں کی سزا اللہ دینا چاہے گا قیامت میں دے گا مگر والدین کی نافرمانی کی سزا وہ اولاد کو دنیا کی زندگی ہی میں دے دیتا ہے اور اسے قیامت پر اٹھا نہیں رکھتا (الاَدَبُ المُفرد للبخاری صہ ۷ - اَلخُلُقُ الکامل ج ۳ صہ ۹۰ بحوالہ طَبرانی - وغیرہ)

حضورؐ انور کا ارشاد ہے: اگر اولاد کے کسی عملِ بد سے ماں باپ کو تکلیف پہنچے اور وہ رونے لگیں تو اُس رونے سے اولاد خود بخود عاق ہو جاتی ہے — (الاَدَبُ المُفرد للبخاری صہ ۸)

حضورؐ کا فرمان ہے: مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اُس کی قبولیت میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اولاد اپنے باپ کی بد دعا سے ڈرے کیونکہ اُس کی کاٹ تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ (اصول کافی ج ۲ صہ ۵۰۹)

حضورؐ کا ارشاد ہے : تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں: مظلوم اور مسافر کی دعا اور ماں باپ کی بد دعا اولاد کے حق میں۔ (الادبُ المفرد للبخاری صہ ۸۔ ترمذی صہ ۲۸۳)

رسولؐ کریم کا ارشاد ہے : وہ آدمی بڑا بدقسمت ہے جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر ان کی اطاعت کر کے اور انھیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنّت کا مستحق نہ بنا لے (تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر مجمعُ البیان، تفسیر صافی، وغیرہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳/۲۴ - صحیح مسلم ج ۲ صہ ۳۱۴)

حضورؐ نے فرمایا: ماں کے پاؤں کے نیچے جنّت ہے (مشکوٰۃ مُسند احمد، نسائی، بیہقی وغیرہ بحث بِرّ و صلہ)

(امام جعفر صادقؑ) ماں باپ کی طرف غصّہ میں اولاد کا تیز نگاہوں سے دیکھنا اس کو خود بخود عاق بنا دیتا ہے اور پھر اُس کی نماز اور کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی (جب تک وہ توبہ نہ کرے اور والدین اس کے اس گناہ کو بخش نہ دیں)

(نیز آپ نے فرمایا) جو شخص اپنے ماں باپ کی اطاعت کرتا ہے، اللہ موت کے وقت کی سختیاں اُس پر آسان کر دیتا ہے (سفینۃ البحار جلد ۲ صہ ۶۸۶)

والدین پر اولاد کے حقوق اور ذمہ داریاں قرآن اور حدیث کی روشنی میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (الآیۃ) (التحریم/۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اُس آگ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

(مطلب یہ ہوا کہ اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کو جن میں لازمی طور پہ اولاد بھی داخل ہے برائیوں سے بچانا ہر شخص کی ذمہ داری ہے اور قیامت میں اس کے لئے اُس سے باز پرس کی جائے گی)

حضورؐ نے فرمایا جس گھر میں بچے نہ ہوں برکت نہیں ہوتی، اولاد جنّت کے پھول ہیں۔ اپنی اولاد کی قدر کرو اور اسے اچھے ادب سکھاؤ کیونکہ وہ تمہارے لئے اللہ کی بارگاہ کا تحفہ ہے۔ اپنی اولاد سے محبت کے اظہار میں مساوات اور انصاف کرنے کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ (الخلق الکامل ج ۳ ص ۱۸۵ بحوالہ

ترمذی و بخاری)

حضور انور کا ارشاد ہے: جو اپنی اولاد کو خوش کرے اللہ اُسے قیامت کے دن خوش کرے گا۔ بچوں کے ساتھ رحم اور محبت کا برتاؤ کیا کرو اور جب اُن سے کوئی وعدہ کرو تو اُس کو پورا کرو۔ والد پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دے اُس کے کردار کی اصلاح کرے۔ اُس پر ظلم نہ کرے اور اُس کے حقوق کو ادا کرے۔ اولاد انسان کے لیئے آزمائش کا ذریعہ ہے بیٹیاں بھی پھول ہیں اور اللہ کا عطیہ ہیں۔ (اصول کافی ج ۶ ص ۶، ۸، ۹، ۴۹، ۵۰)

حضور نے ارشاد کیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الخ

ترمذی ص۲۶۳ مسلم ج ۲ ص ۱۲۲ بخاری جلد ۲ باب النکاح ص۷۸۳ وغیرہ)

مسلمانو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور وہ اللہ کے سامنے اپنی رعایا کے اعمال کا جواب دہ ہے۔ یعنی اُس سے اُن کے اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی۔

(خواہ وہ شخص کسی ملک کا حاکم ہو یا کسی گھر، خاندان

درسگاہ، قوم اور کسی آفس کا سربراہ ہو اور چاہے وہ عورت ہو یا مرد ہو، اپنے ماتحت لوگوں کے اعمال کی جواب دہی کا اللہ کی بارگاہ میں ذمہ دار ہے)

علّامہ کی تصنیفات کی فہرست ادارے کے دفتر سے مفت طلب کی جاسکتی ہے

۷۸۶

مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں

حقیقی مسلمان صرف وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان اور تمام لوگ محفوظ رہیں

ہر مسلمان کی جان و مال اور آبرو یوم الحج کی طرح محترم ہے

اللہ کا حکم ہے کہ مشرکوں اور کافروں کے بزرگوں اور معبودوں تک کو گالی نہ دو کیونکہ وہ انتقام کے جوش میں تمہارے اللہ کو گالی دیں گے اور تم اس کا سبب بن جاؤ گے

اسلام کے بدترین دشمن ہمیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں

ہماری پھوٹ اور نا اتفاقی اسلام دشمن طاقتوں کی گہری سازشوں کا نتیجہ اور اُنکی زبردست فتح ہے

اِسلام کسی کی دل آزاری کرنے کی اجازت نہیں دیتا

اختلاف رائے مذہبی ہو یا سیاسی قومی اور جماعتی ہو یا نجی اور ذاتی اسمیں حدود الٰہی کی خلاف ورزی کرنا اور انکھیں توڑنا فرمانِ خداوندی کی توہین و تحقیر ہے

اسلام دینِ محبت و امن و سلامتی ہے وہ نا اتفاقی پھوٹ اور عداوت کی تعلیم نہیں دیتا

آپس میں تبادلۂ خیال خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو محبت خلوص اور برادرانہ جذبات کے تحت ہونا چاہیئے

سچا مسلمان وہی ہے جس کا پڑوسی اُسکی شرارتوں سے محفوظ ہو

علماء خطیبوں اور واعظوں پر مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد رکھنے کی ذمہ داری دوسروں سے بہت زیادہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خطبہ کا موضوع اُن سرخیوں سے واضح ہے جو اس کتاب کے پچھلے صفحات پر لکھی ہوئی ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قرآن حکیم کے ارشادات اور خود اپنی حدیثوں اور سیرتِ طیّبہ سے ہمیشہ مسلمانوں کو باہمی اتّحاد و یگانگت اور اتّفاق و محبت کی تعلیم دی۔ اور یہ اُن کے آپس کے اتحاد ہی کا نتیجہ تھا کہ اُنکے ابتدائی دور میں اُن کی تعداد کی زبردست کمی، افلاس و تنگدستی بے سروسامانی اور تمام دنیوی اور مادّی وسائل سے محرومی کے باوجود اُن کے خوددار سروں اور اللہ کی عظمت، اطاعتِ رسولؐ اور ایمان سے بھرے ہوئے اُن کے دلوں کو باطل کی بڑی سے بڑی طاقتیں بھی اپنے آگے جھکا نہ سکیں اور خون، موت اور تباہی و بربادی کے ہولناک طوفان بھی اُن بے سروسامان مجاہدینِ حق کے قدموں کو آگے بڑھنے سے روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اسلام دشمن طاقتیں جانتی ہیں کہ مسلمانوں کا ناقابلِ تسخیر ہتھیار ہمیشہ محض ان کا باہمی اتحاد و اتفاق ہی رہا ہے اس لیئے اُن کی بھرپور کوشش یہی ہے کہ اِس اتحاد و اخوّت کو پارہ پارہ کرکے اس زبردست ہتھیار کو ناکارہ بنا دیا جائے تو پھر مسلمانوں پر کسی بیرونی حملہ کی ضرورت ہی نہ رہے گی بلکہ وہ خود ہی اپنی موت مرجائیں گے۔

ہمیں واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی زبردست کوششیں کی جارہی ہیں خواہ وہ شرق اوسط کے ممالک ہوں یا مشرقِ بعید کے اور چاہے وہ یورپ کے مسلمان ہوں یا ایشیا کے۔ بلاشبہ اگر ہم نے اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے نہ ہٹائے اور آپس کی دل آزاری اور نا اتفاقی، پھوٹ، لڑائی، دشمنی و عداوت، فرقہ وارانہ عصبیّت، رنگ، نسل، خطّہ، زبان اور صوبہ واریت اور اسی طرح کی دوسری تفریقوں کو اپنے معاشرے سے ختم نہ کر دیا تو ہماری تباہی و بربادی جو صرف ہماری ہی بداعمالیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا نتیجہ ہو گی پھر کسی طاقت کے ذریعہ روکی نہ جا سکے گی۔

اب آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی چند آیاتِ کریمہ اور محدّثین اسلام کی لکھی ہوئی انتہائی معتبر حدیثیں، اُن پر بغیر تبصرہ کئے ہوئے دو حصّوں میں بیان کی جاتی ہیں۔

ہر مسلمان پوری ذمّہ داری کے ساتھ ان آیات و احادیث کا مطالعہ کر کے خود ہی یہ طے کر سکتا ہے کہ اُس کی زندگی بحیثیت ایک حقیقی مسلمان کے کیسی اور کس طرح ہونا چاہیئے خواہ وہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی اور معاشرتی۔

آپس کے اتحاد و اتفاق اور محبت و اخوت پر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا
(اٰلِ عمران/۱۰۳)

اور تم سب کے سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اسی نے تمہارے دلوں میں باہم الفت پیدا کردی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (حُجُرات/۱۰)

سب اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (حُجُرات/۱۱)

اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں کا مذاق اڑانا چاہیئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب کہ

وہ ان سے افضل ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے خطاب کیا کرو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (حجرات/۱۲)

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی ٹوہ (کھوج یعنی پوشیدہ باتوں کی تلاش) میں نہ رہا کرو اور کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے غیبت (بدگوئی) نہ کیا کرے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حٰمٓ السجدۃ ۳۴-۳۵)

بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوا کرتی تو تم برائی کو ایسے طریقہ سے دفع کیا کرو جو نہایت اچھا ہو جب تم ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا قلبی دوست ہو گیا ہے۔ یہ بات تو بس اُن ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور اُن ہی کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

• وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (انفال/۴۶)

اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم صبر سے کام لیا کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (آل عمران/۱۳۴)

صاحبانِ تقویٰ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگ دستی (دونوں) میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کی خطاؤں سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے اللہ محبّت فرماتا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْہُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (نحل/۱۲۵)

اللہ کی راہ کی طرف حکمت (عقلمندی) اور اچھی نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو بلاؤ اور آپس میں بحث و مباحثہ بھی کرو تو ایسے طریقہ سے جو سب سے اچھا ہو (یعنی اس طرح بحث نہ کرو کہ اس سے کسی کی دل آزاری ہو یا فساد وغیرہ کی سی کوئی برائی پیدا ہو جائے)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ (انعام/۱۰۸)

اور مشرک لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں (عبادت کرتے ہیں)
اے مسلمانو! تم ان کے معبودوں کو گالی نہ دیا کرو ورنہ وہ لوگ بے سمجھے
محض (انتقام اور) دشمنی کے جذبہ میں اللہ کو گالی دیں گے (یعنی تم
خود ہی اس کا سبب بن جاؤ گے۔)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران)

اور تم (اے مسلمانو) اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے آپس میں
اختلاف کیا اور پھوٹ ڈالی حالانکہ اُن کے پاس (اللہ کی جانب سے)
روشن دلیلیں آچکی تھیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیئے بڑا
سخت عذاب ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ ۸)

اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس جرم میں مبتلا نہ کر دے کہ تم نا انصافی کرنے
لگو (خبردار) تمہیں ہر حال میں انصاف ہی کرنا چاہیئے۔ یہی بات پرہیز
گاری سے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ
تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ

أَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ/۴۳-۴۴)

(اے موسیٰ اور ہارونؑ) تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکش ہوگیا ہے پھر اس کے پاس جاکر بہت نرمی کے ساتھ اس سے بات کرنا تاکہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے (یعنی ایسی سخت گفتگو جس سے اُس کی دل آزاری ہو نہ کرنا)

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ/۸۳)

اور ہمیشہ لوگوں کے ساتھ نرمی (خوش اخلاقی) سے بات چیت کیا کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (اَنْعَام/۱۵۱)

اور کسی جان رکھنے والے کو جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے کبھی قتل کرنا سوائے حکم شرعی کے مطابق۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (مائدہ/۳۲)

جو شخص کسی کو نہ تو جان کے بدلے میں اور نہ ملک میں فساد پھیلانے کی وجہ سے بلکہ (بلا جرم) قتل کر ڈالے تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا (فساد اور قصاص میں قتل کرنے کا حق صرف اُس وقت ہے جب شرعی حکومت اس کی اجازت دیدے خود ذاتی طور پر کسی کو اس کا حق نہیں ہے) اور جس شخص نے ایک انسان کو زندہ کیا (یعنی اُس کے لیئے زندگی کے

اسباب مہیا کر دیئے) اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء/۹۳)

اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اُس قاتل کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اُس پر اپنا غضب نازل کرے گا اور اُس پر لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اُس کے لیئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (قصص/۸۳)

وہ آخرت کا گھر ہم اُن ہی لوگوں کے لیئے خاص کر دیں گے جو زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور حقیقت تو یہ ہے کہ انجام (یعنی اچھا انجام) تو اُن ہی لوگوں کا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (روم/۴۱)

بحر و بر (خشکی اور تری) میں انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں کی بدولت فساد (اور بلائیں) پھیل گیا ہے تاکہ اللہ اُن کی اعمال میں سے کچھ کرتوتوں کا انھیں مزہ چکھا دے تاکہ بد عمل لوگ اب بھی اپنی شرارتوں

سے باز آجائیں۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ الآیۃ (نسآء/۳۶)

اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کیا کرو اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں اور محتاجوں اور (دینی یا خاندانی) قرابت والے پڑوسی اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ (خواہ وہ مسلمان ہو، اہل کتاب ہو یا کافر و مشرک ہو) الخ

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (القلم/۳۵)

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں (نافرمانوں اور کافروں) کے مثل قرار دیں گے؟

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (المؤمنون/۹۶)

برائی کو ایسے برتاؤ سے دفع کرو جو بہت ہی اچھا ہو۔

ے تفسیر ابن جریر طبری :۔ ہم مذہب یعنی مسلمان ہو یا یہودی، نصاریٰ اور مشرک ہو (جلد ۵ صـ ۴۸۔ تفسیر مجمع البیان، طبرسی (جلد ۳ صـ ۴۵) تفسیر روح المعانی، محمود الآلوسی (جلد ۵ صـ ۲۸)

مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں

حدیث کی روشنی میں!

اِنَّ رَجُلاً من بنی تمیمٍ اتی النبیؐ فقال اوصنی فکان فیما اوصاہُ اَن قال لا تسبُّوا النّاس فتکتسبوا العداوۃ بینھم

(اصول کافی ج ۲ صفحہ ۳۶)

بنی تمیم کا ایک شخص حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے تو آنحضرتؐ نے جہاں اور نصیحتیں کیں وہاں ایک یہ بھی کی کہ لوگوں کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ اس عملِ بد سے آپس میں دشمنی پیدا ہوتی ہے۔

قال النبیؐ سِبابُ المؤمن فُسوقٌ وَقِتالُہٗ کُفرٌ وَاَکلُ لحمِہٖ مَعصِیَۃٌ وَحُرمَۃُ مالِہٖ کحُرمَۃِ دَمِہٖ (اصول کافی ج ۲ صفحہ ۳۶)

حضورؐ نے فرمایا: مومن کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے اور اس کی غیبت (پیٹھ پیچھے برائی) کرنا معصیت ہے، اور اسکا مال بھی اسکی بغیر اجازت لینا

اسی طرح دوسروں کے لیئے حرام ہے جس طرح اس کا خون بہانا حرام ہے ۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسکو تمام محدثین اسلام نے نقل کیا ہے ہم یہاں اسے بخاری سے نقل کرتے ہیں ۔

فَقَالَ اَلاَ تَدْرُوْنَ اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ فَقَالَ اَلَیْسَ بِیَوْمِ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَیُّ بَلَدٍ هٰذَا اَلَیْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ وَاَبْشَارَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا ۔۔۔ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۳ مطبوعہ کارخانہ تجارت کراچی)

حجۃ الوداع کے موقع پر مقام منیٰ میں حضورؐ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ آپ نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے، لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور کچھ دیر کے لیئے خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم لوگ خیال کرنے لگے کہ آنحضرتؐ آج کے دن کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا آج یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا بیشک آج یوم النحر ہے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا: یہ کونسا شہر ہے۔ کیا یہ محترم شہر نہیں ہے، ۔ اصحاب کرامؓ نے عرض

کی بیشک اے اللہ کے رسولؐ یہ محترم شہر ہے یہ سنکر حضورؐ نے فرمایا کہ پس بلاشک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو اور تمہاری کھال (آپس میں ایک دوسرے کیلئے) اسی طرح واجب الاحترام ہے جیسے آج کا دن محترم ہے۔ تمہارے اس محترم مہینے میں اور تمہارے اس محترم شہر میں اور دیکھو یاد رکھو کہ تم لوگ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

حضورؐ انور نے فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَاتَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

(بخاری جلد ۲ ص ۸۹۶)

آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے کی جانب سے پیٹھ نہ پھیرو یعنی باہم رنج و عداوت نہ رکھو اور اللہ کے بندو سب کے سب بھائی بھائی ہو جاؤ۔

وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَاتَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا (بخاری ج ۲ ص ۸۹۶)

حضورؐ نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کی ٹوہ نہ لگاؤ اور نجی حالات کی تلاش نہ کرو آپس کے تجارتی معاملات میں تعریف یا مذمت دھوکا دینے کے لئے نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، باہم عداوت اور بغض نہ رکھو، اور نہ ایک دوسرے کی جانب سے پیٹھ پھیرو اور اللہ کے ایسے بندے بن جاؤ جو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَنْ قَالَ اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ (بخاری ج ۲ ص ۸۸۹)

اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں لایا، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہوا، اللہ کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں ہے۔ اصحابؓ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے! آپؐ نے فرمایا جس کا ہمسایہ اُس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ (بخاری ج ۲ ص ۸۸۹)

حضورؐ نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (ہمسایہ کا لفظ یہاں عام ہے، یعنی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم)

حضورؐ نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ (بخاری ج ۲ ص ۸۹۳)

مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے قتال کفر ہے۔

مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا (بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۷)

آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص ہم پر (یعنی مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) نہیں ہے۔

لَا یُشِیْرُ اَحَدُکُمْ عَلٰی اَخِیْہِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ مِنْ یَدِہٖ فَیَقَعُ فِیْ حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۷)

حضورؐ کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی طرف

ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان ہتھیار اُس کے ہاتھ سے چھین کر اُس دوسرے مسلمان کو مار دے (دوسری روایت میں "ینزغ" ہے) یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اُسے بہکا دے اور وہ ہتھیار اپنے مسلمان بھائی پر چلا دے پھر اس کے نتیجہ میں ہتھیار چلانے والا جہنم میں داخل ہو جائے۔

لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (بخاری ج۲ ص۱۰۴۸)

(تمام محدثین اسلام نے لکھا ہے) حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے فرمایا: اے مسلمانو تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ (بخاری ج۲ ص۸۸۹)

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا (یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا)

تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْوًا تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی (بخاری ج۲ ص۸۸۹)

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے: اہل ایمان کی باہمی اخوت و اُلفت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، محبت و شفقت کرتے ہیں ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک بدن ہوتا ہے کہ جب اُس کے کسی عضو میں تکلیف اور درد ہو تو اُس کے تمام اعضاء اُسکی تکلیف کی وجہ سے راتوں کو جاگتے ہیں اور

بخار میں مبتلا ہوجاتے ہیں (یعنی اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف کا پورے اسلامی معاشرے کو احساس ہونا چاہیئے)

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ

(بخاری ج ۲ ص۸۹ و مسلم ج ۲ ص۳۲۱ و ترمذی ص۲۸۵)

حضورؐ نے فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیئے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ہو جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ سے مستحکم ہوجاتا ہے (جب وہ دونوں ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم ملاکر لوگوں کو دکھایا کہ اسطرح آپس میں اتحاد و اتفاق رکھو تاکہ تم ہمیشہ مستحکم رہو۔

یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ (بخاری ج ۱ ص۳۳۴)

حضورؐ کا ارشاد ہے: اگر کوئی مسلمان لوگوں کے راستہ میں سے کوئی ایسی چیز ہٹادے جس سے انھیں تکلیف پہنچتی ہو تو یہ کام صَدَقَہ ہے (یعنی ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرّب کا ذریعہ ہے۔

(عن ابی ھُرَیْرَۃؓ) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِؐ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِطَرِیْقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْکٍ عَلَی الطَّرِیْقِ فَاَخَّرَہٗ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَغَفَرَ لَہٗ

(بخاری جلد ۱ ص۳۳۶)

ابو ھریرہ راوی ہیں کہ حضورؐ انور نے کسی مسلمان کو ملاحظہ کیا کہ وہ راستہ چل رہا تھا اسی اثناء میں اُس کی نظر ایک کانٹوں دار شاخ پر پڑی جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی اس نے

اسے فوراً اٹھا کر وہاں سے دور پھینک دیا تاکہ کسی راہگیر کو اس سے اذیت نہ پہنچے۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے اس مسلمان کے اس عمل کو قبول فرمالیا اور اس کے گناہ بخشدیئے۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ (بخاری ج ۱ ص۳۳۰ مسلم ج ۲ ص۳۲۰)

آنحضرتؐ کا فرمان ہے: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس پر نہ تو ظلم کرے اور نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے یعنی ایسا نہ کرے کہ دشمن کے مقابلہ میں یا مصیبت میں اسے اکیلا چھوڑ دے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ (بخاری ج ۱ ص۶ و مسلم ج ۱ ص۴۸ و نسائی ج ۲ ص۲۳۳)

آنحضرتؐ نے فرمایا: مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

(بخاری ج ۱ ص۶ و مسند احمد ج ۳ ص۲۷۲ وغیرہ)

حضورؐ کا ارشاد ہے اے مسلمانو تم میں سے کوئی سچا مؤمن نہیں ہے جب تک وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیئے اُس نیک بات کو پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لیئے پسند کرتا ہے۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَکَفَرَ بِمَا یُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَرُمَ مَالُہٗ

وَدَمَهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ (مسلم ج ۱ صـ۳۷)

حضورؐ نے فرمایا: جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی پرستش کی جاتی ہے اُنکو ماننے سے منکر ہوا تو مسلمانوں کے لیئے اُس کا مال اور خون دونوں محترم ہوگئے اور اُس کا حساب اللہ سے متعلق ہے۔

لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِجَارِہٖ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (مسلم ج ۱ صـ۵۰)

آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ کا کوئی بندہ سچا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے ہمسایہ کے لیئے وہی اچھی باتیں پسند نہ کرے جو خود اپنے لیئے پسند کرتا ہے۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ (مسلم ج ۱ صـ۵۰)

حضورؐ نے فرمایا: جنّت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کا ہمسایہ اسکی شرارتوں اور زیادتیوں سے محفوظ نہ ہو۔

مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔ (مسلم ج ۱ صـ۷۰)

آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو ہمیں دھوکا دے یا ملاوٹ کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے)

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ۔ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ (مسلم ج ۲ صـ۳۱۷) و (ترمذی صـ۲۸۶)

حضورؐ نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس پر نہ ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے مصیبت میں اکیلا چھوڑتا ہے اور نہ اُس کی تذلیل و توہین کرتا ہے۔

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو واجب الاحترام ہے۔

مَنْ اَشَارَ اِلٰی اَخِیْہِ بِحَدِیْدَۃٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ تَلْعَنُہٗ (مسلم ج۲ ص۳۲۷ و ترمذی ص۳۱۵)

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی طرف ڈرانے کے لیئے ہتھیار سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (حضورؐ کا ارشاد)

اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ (مسلم ج ۲ ص۳۲۸)

حضورؐ کا ارشاد ہے: مسلمانوں کے راستہ سے وہ چیزیں دور کرو جن سے انھیں اذیت پہنچتی ہے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اِنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ لَقِیْتُ رَجُلًا مِنَ الْکُفَّارِ فَقَاتَلَنِیْ فَضَرَبَ اِحْدٰی یَدَیَّ بِالسَّیْفِ فَقَطَعَہَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّیْ بِشَجَرَۃٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰہِ اَفَاَقْتُلُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بَعْدَ اَنْ قَالَہَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَا تَقْتُلْہُ قَالَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ قَدْ قَطَعَ یَدِیْ ثُمَّ قَالَ ذٰلِکَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَہَا اَفَاَقْتُلُہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ لَا تَقْتُلْہُ فَاِنْ قَتَلْتَہٗ فَاِنَّہٗ بِمَنْزِلَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَہٗ وَاِنَّکَ بِمَنْزِلَتِہٖ قَبْلَ اَنْ یَقُوْلَ کَلِمَتَہُ الَّتِیْ قَالَ

(مسلم ج ۱ ص۶۷)

صحابی رسولؐ حضرت مقدادؓ بن الاسود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی مجھے بتائیے کہ اگر مجھ سے اور کسی کافر سے جنگ ہو اور

وہ میرے ایک ہاتھ کو تلوار سے کاٹ ڈالے پھر میرے خوف سے بھاگ کر درخت کی آڑ میں پناہ لے اور وہیں سے آواز دے کہ میں اسلام لے آیا ہوں کیا حضورؐ اسکے اس کہنے کے بعد میں اُسکو قتل کر سکتا ہوں جبکہ اس نے کلمۂ اسلام پڑھ لیا ہے - آپ نے فرمایا اب تم اُسے نہیں قتل کر سکتے یہ سن کر میں نے پھر عرض کی یارسول اللہ اُسنے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور اس کے بعد وہ اسلام لانے کا دعویٰ کر رہا ہے - کیا باوجود اس کے میں اُسے قتل کر دوں - مقدادؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اُس کو اب ہرگز قتل نہیں کر سکتے (یعنی اُس کا قتل کرنا اس کے بعد تمہارے لیئے حرام ہوگیا) کیونکہ تم اگر اُسے قتل کر دوگے تو وہ تمہاری اُس حالتِ ایمان کی طرح ہو جائے گا جبکہ تم نے اُس کے قتل کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور تم اُس کی حالتِ کفر کی طرح ہو جاؤ گے جبکہ اُس نے کلمۂ اسلام نہیں پڑھا تھا اور اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا -

عن اُسامۃؓ بن زیدؓ قال بعثنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی سَرِیَّۃٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ من جُهَیْنَۃَ فَاَدْرَکْتُ رَجُلاً فقالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فطعنتُہٗ فوقع فی نفسی من ذٰلک فذکرتہٗ للنبیؐ فقال رسُولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم اَقالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وقتلتہٗ قال قلتُ یا رسُولَ اللہ اِنّما قالھا خوفاً من السِّلاحِ قالَ اَفلا شققتَ عن قلبہٖ حتّٰی تعلمَ اَقالھا اَمْ لا فما زالَ یُکرِّرُھا علیّ حتّٰی تمنّیتُ

أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ -

(اور دوسری روایت میں یوں ہے) فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (مسلم ۱ صفحہ ۶۷-۶۸)

حضرت اُسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں۔ ہم لوگوں کو رسول اللہؐ نے ایک سریہ کے ساتھ روانہ کیا (یعنی ایک چھوٹا لشکر جو چار سو سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے) تو ہم روانہ ہو کر قبیلہ جُهَيْنَہ کی آبادی میں مقام حُرَقَاتْ پر صبح سویرے پہنچے - وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مجھے دیکھتے ہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھنے لگا مگر اس کے باوجود میں نے اسکو نیزہ مار کر قتل کر دیا اس کے ساتھ ہی یہ کھٹک میرے دل میں باقی رہ گئی کہ میں نے اُسے کیوں قتل کیا پھر جب میں حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس واقعہ کا آپ سے میں نے تذکرہ کیا یہ سن کر آنحضرتؐ نے بڑے تعجب سے فرمایا کہ اُس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا پھر بھی تم نے اُسے مار ڈالا - میں نے عرض کی یا رسول اللہ اُس نے ہمارے ہتھیاروں کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ پھر تم نے اُس کے دل کو چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا کہ اُس نے کلمہ اسلام دل سے پڑھا تھا یا تمہارے خوف سے - حضورِ انور یہ فقرہ بار بار فرماتے رہے یہ سن کر میں بے حد شرمندہ ہوا اور تمنا کرنے لگا کاش میں اِس واقعہ کے بعد اسلام لایا ہوتا کہ اسلام کی وجہ سے میرا یہ گناہ دُھل جاتا -

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمَنَهُ النَّاسُ

عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ (سنن نسائی ج ۲ ص۲۳۳ و ترمذی ص۳۰۴)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے تمام لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہی ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور مال امن و امان میں رہیں۔

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَوْضَعُھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ (سنن نسائی ج ۲ ص۲۳۲)

حضور انور ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے سب سے اعلیٰ اور افضل کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور ایمان کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ راستہ سے ایسی چیز کو ہٹا دیا جائے جو لوگوں کی تکلیف و اذیت کا سبب ہو اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ مِنَ الْخَیْرِ (سنن نسائی ج ۲ ص۲۳۵)

سرور کائنات نے فرمایا: وہ ذات جسکے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جبتک وہ اپنے ایمانی بھائی کے لیئے وہی اچھی اور نیک بات پسند نہ کرے جو خود اپنے لیئے پسند کرتا ہو۔

مَنْ لَّمْ یَرْحَمِ النَّاسَ لَا یَرْحَمُہُ اللّٰہُ۔ (ترمذی ص۲۸۵)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اُس پر اللہ رحم نہیں فرمائیگا۔

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

(ترمذی ص۲۸۵)

حضورؐ کا ارشاد ہے: خدائے رحمان اُن لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ زمین کے رہنے والوں پر رحم کیا کرو تاکہ آسمان والا یعنی اللہ تم پر رحم فرمائے۔

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (ترمذی ص۲۸۵)

سرورِ کائنات کا ارشاد ہے: جس مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کی حفاظت کی اللہ قیامت کے دن اُس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو دور کرے گا۔

نَظَرَ ابْنُ عُمَرَؓ یَوْمًا اِلَی الْكَعْبَةِ فَقَالَ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ (ترمذی ص۲۹۷)

ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کعبۂ مکرمہ کی طرف دیکھا تو فرمایا (اے اللہ کے گھر) تیری کیا عظمت و شان ہے اور تیری حرمت و عزت کس قدر عظیم ہے مگر سچا مومن تو اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت والا ہے۔

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِیَالُ اللّٰهِ وَاَحَبُّ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَیْهِ اَحْسَنُهُمْ صَنِیْعًا اِلٰی عِیَالِهٖ (الخلق الکامل ج ۳ ص۱۰۹)

حضورؐ نے فرمایا: تمام مخلوقات گویا اللہ کا کنبہ ہے (حالانکہ اُس کی ذات

اقدس اس سے بلند ہے) اور تمام خلقت میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہی شخص ہے جو اس کے اس کُنبہ کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا برتاؤ کرے۔ (اسی قسم کی دوسری حدیث)

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ وَاَحَبُّهُمْ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ۔

(الخُلُق الکامل ج ۳ ص۱۹۷ بحوالہ المعجم الاوسط للطبرانی)

تمام مخلوقات اللہ کا گویا کنبہ ہے ان میں اُس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہی ہے جو اُس کے اس کنبے کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

لَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا (الخُلُق الکامل ج۳ ص۱۹۲ والبخاری عن ابن مسعودؓ)

حضورؐ کا فرمان ہے: آپس میں جھگڑے نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے جن قوموں نے آپس میں جھگڑے کیے تھے وہ سب ان ہی جھگڑوں اور فسادات کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے۔

مَنْ فَرَّقَ فَلَيْسَ مِنَّا (الخُلُق الکامل ج ۳ ص۱۹۳ بحوالہ طبرانی)

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: جو شخص ہم مسلمانوں میں پھوٹ ڈالے وہ ہم میں نہیں ہے۔

فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ (الخُلُق الکامل ص۱۹۲ بحوالہ ترمذی)

حضورؐ کا فرمان ہے: بیشک آپس کے فسادات اور جھگڑے تباہ کن اور برباد کر دینے والے ہوتے ہیں۔

خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ (الخُلُق الکامل ج۳ ص۱۹۳ بحوالہ القضاعی)

سرورِ انبیاءؐ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو انہیں سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

حَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ اَکْثَرُھُمْ تَحَبُّبًا اِلَی النَّاسِ (الخُلُق الکامل ج ۲ ص ۲۲)

حضورؐ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ الفت و محبت رکھے۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ (الخُلُق الکامل ج ۲ ص ۲۷)

حضورِ انورؐ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ اور یوم حساب پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور حساب کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہ دے۔

عن الصَّادِقِؑ کُوْنُوا النَّاذِبِیًّا وَلَا تَکُوْنُوْا لَنَا شَیْئًا قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَاحْفَظُوْا اَلْسِنَتَکُمْ وَکُفُّوْھَا عَنِ الْفُضُوْلِ وَقَبِیْحِ الْقَوْلِ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۴۳) (از بحار الانوار مجلسی)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! ہمارے لیئے زینت بنو اور عیب نہ بنو۔ لوگوں سے حسن کے ساتھ گفتگو کرو اور اپنی زبانوں کو فضول اور بری باتوں سے محفوظ رکھو۔

عن اَبِی جعفرؑ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ اَحْسَنَ مَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یُقَالَ لَکُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ اللَّعَّانَ السَّبَّابَ الطَّعَّانَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الْفَاحِشَ السَّائِلَ الْمُتَفَحِّشَ الْمُلْحِفَ

وَيُحِبُّ الْحَلِيْمَ الْعَفِيْفَ الْمُتَعَفِّفَ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۴۵۳)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: لوگوں سے اُس بہترین طریقہ پر گفتگو کیا کرو جس طرح تم خود چاہتے ہو کہ وہ لوگ تم سے اچھے طریقے سے گفتگو کریں کیونکہ اللہ اس شخص کو دشمن رکھتا ہے جو اہل ایمان پر لعن طعن کرے اور انھیں گالی دے، فحش گفتگو کرنے والا ہو اور ایسا مانگنے والا جو لوگ چمٹ جاتا ہو اور وہ عفت دار اور حلیم و بردبار آدمی کو پسند فرماتا ہے۔

عن الصّادقؑ المُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ وَحَقُّ الْمُسْلِمِ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ اَنْ لَا یَشْبَعَ وَیَجُوْعُ اَخُوْهُ وَلَا یَرْوٰی وَیَعْطَشُ اَخُوْهُ وَلَا یَکْتَسِیْ وَیَعْرٰی اَخُوْهُ فَمَا اَعْظَمُ حَقَّ الْمُسْلِمِ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ (سفینۃ البحار ج ۱ ص ۱۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان کا اپنے بھائی پر حق یہ ہے کہ اگر اس کا بھائی بھوکا ہو تو وہ خود بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائے اور اگر وہ پیاسا ہو تو یہ بھی پانی نہ پیئے اور اگر وہ لباس نہ رکھتا ہو تو یہ بھی چین نہ لے اور خود لباس کی تکلیف برداشت کرے تو حقیقۃً مسلمان کا حق کس قدر عظیم ہے اپنے مسلمان بھائی پر۔

اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّادِقُؑ: اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ کَالْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِنِ اشْتَکٰی شَیْئًا مِّنْهُ وَجَدَ اَلَمَ ذٰلِكَ فِیْ سَائِرِ جَسَدِهٖ (سفینۃ البحار ج ۱ ص ۱۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور اہل ایمان

کی مثال ایک بدن کی سی ہے ۔ اگر اس کا ایک عُضو دکھنے لگتا ہے تو سارے
بدن کو اس کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے ۔

سُئِلَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الشِّرْکَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ فَقَالَ کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ یَسُبُّوْنَ مَا یَعْبُدُ الْمُشْرِکُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَکَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَسُبُّوْنَ مَا یَعْبُدُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَنَھَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَنْ سَبِّ اٰلِھَتِھِمْ لِکَیْلَا یَسُبَّ الْکُفَّارُ اِلٰہَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَکَانَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (تفسیر مجمع البیان للطبرسی ۔ سورۂ انعام) ج ۴ ص ۳۴۷

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضورؐ کے اس فرمان کے متعلق تشریح چاہی گئی کہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ سبک رفتار ہے جس کا پتہ ہی نہیں چلتا تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان ابتداء میں مشرکوں کے معبودوں کو گالیاں دیا کرتے تھے تو جوشِ انتقام میں مشرک لوگ بھی اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگتے تھے اس لیے اللہ نے مسلمانوں کو روک دیا کہ وہ مشرکوں کے معبودوں کو گالی نہ دیا کریں تاکہ وہ لوگ بھی اللہ کی شان میں بے ادبی نہ کریں کیونکہ اگر مسلمان مشرکوں کے معبودوں کو گالیاں دیں گے اور مشرک اس کا انتقام لیں گے تو اللہ کی توہین کا سبب خود مسلمان ہو جائیں گے اور گویا مشرکانہ شرک میں شریک ہوں گے ۔

ابو عبد اللہ ـ الا ... دمٌ یحقن الدم (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اسلام کی وجہ سے انسان کا خون یعنی اس کی جان محفوظ ہو جاتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ بَنُوْ اَبٍ وَّاُمٍّ (اصول کافی ج ۲ ص۱۶۵)

سب اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک باپ اور ایک ماں یعنی حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد ہیں۔

(۱۱) اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ عَیْنُہٗ وَدَلِیْلُہٗ لَا یَخُوْنُہٗ وَلَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَغُشُّہٗ وَلَا یَعِدُہٗ عِدَةً فَیُخْلِفُہٗ (اصول کافی ج ۲ ص۱۶۶)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے۔ اس کی آنکھ ہے اور اس کا رہنما ہے۔ وہ اپنے مؤمن بھائی کی خیانت نہیں کرتا اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دھوکا دیتا ہے، اور نہ اس سے وعدہ خلافی کرتا ہے۔

اَحِبَّ لِاَخِیْكَ الْمُسْلِمِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ (اصول کافی ج ۲ ص۱۷۰) (۱۱)

امام صادقؑ فرماتے ہیں: اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی نیک اور اچھی بات پسند کرو جو تم اپنے لیئے پسند کرتے ہو۔

یُحِبُّ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِاَعَزِّ اَھْلِہٖ وَیَکْرَہُ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ لِاَخِیْہِ مَا یَکْرَہُ لِاَعَزِّ اَھْلِہٖ (اصول کافی ج ۲ ص۱۷۰)

ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لیئے وہی اچھی بات پسند کرتا ہے جو اپنے عزیز ترین گھر والے کے لیئے پسند کرتا ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کے لیئے

اُسی بری بات کو ناپسند کرتا ہے جسکو اپنے عزیز ترین گھر والے کے لئے ناپسند کرتا ہے۔

مَنْ تَعَصَّبَ اَوْ تُعُصِّبَ لَهٗ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ

(اصول کافی ج ۲ ص ۳۰۷)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں: جو شخص عصبیت سے کام لے یا دوسروں کو شہ دے کہ وہ اس کے لیے عصبیت سے کام لیں تو اُس شخص نے ایمان کا طوق اپنی گردن سے اُتار کر پھینک دیا۔

اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ نَظَرَ اِلٰی مُؤْمِنٍ نَظْرَةً لِيُخِيْفَهٗ بِهَا اَخَافَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ

(اصول کافی ج ۲ ص ۳۶۸)

امام صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص کسی مومن کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے تاکہ اُس کو ڈرائے اور خوف دلائے تو اللہ تعالیٰ اُس شخص کو قیامت کے روز ڈرائے گا جس دن اللہ کی رحمت کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مَنْ رَوَّعَ مُؤْمِنًا بِسُلْطَانٍ لِيُصِيْبَهٗ مِنْهُ مَكْرُوْهٌ فَلَمْ يُصِبْهُ فَهُوَ فِي النَّارِ وَمَنْ رَوَّعَ مُؤْمِنًا بِسُلْطَانٍ لِيُصِيْبَهٗ مِنْهُ مَكْرُوْهٌ فَاَصَابَهٗ فَهُوَ مَعَ فِرْعَوْنَ وَآلِ فِرْعَوْنَ فِي النَّارِ (اصول کافی ج ۲ ص ۳۶۸)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جو شخص کسی مومن کو اپنی قوت و طاقت سے دھمکائے کہ اس کی جانب سے اس مومن کو تکلیف پہنچے گی اور باوجود اس کے کہ تکلیف نہ پہنچے مگر اس ڈرانے کی سزا یہ ہوگی کہ وہ ڈرانے والا جہنم کا مستحق ہو جائے گا اور اگر وہ تکلیف پہنچ گئی تو ڈرانے والے کا حشر فرعون اور فرعون کے ساتھیوں کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ ان کے ساتھ جہنم کی آگ میں جلایا جائیگا۔

اَبُوْ عَبْدِ اللهِ — اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ عَلِيًّا وَسَلْمَانَ وَ اَبَا ذَرٍّ وَالْمِقْدَادَ اَنْ يُنَادُوْا فِي الْمَسْجِدِ بِاَعْلٰى اَصْوَاتِهِمْ بِاَنَّهٗ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَمْ يَأْمَنْ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ فَنَادَوْا بِهَا ثَلَاثًا ثُمَّ اَوْمَاءَ بِيَدِهٖ اِلٰى كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دَارًا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ۔

(اصول کافی ج ۲ ص ۶۶۶)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے حضرت علیؑ و حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ کو حکم دیا کہ یہ لوگ مسجد نبیؐ میں جاکر تین مرتبہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ اس شخص کا ایمان ہی نہیں ہے جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ رہے۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ ہمسایہ کی حد چاروں طرف سے چالیس گھروں تک ہے۔

اَبُوْ عَبْدِ اللهِ — لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَهٗ

(اصول کافی ج ۲ ص ۶۶۸)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہم میں سے وہ شخص نہیں ہے جو اپنے ہمسایہ سے حسنِ سلوک نہ کرے اور اس کے حقوق کو ادا نہ کرے۔

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیْ اِنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الْجَارِ فَقَالَ اَرْبَعِیْنَ دَارًا اَمَامَہٗ وَاَرْبَعِیْنَ خَلْفَہٗ وَاَرْبَعِیْنَ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَاَرْبَعِیْنَ عَنْ یَسَارِہٖ۔

(اَلْاَدَبُ الْمُفْرَدْ از علامہ بخاری ص۱۹)

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ہمسائیگی کی حد کیا ہے تو آپ نے کہا: چالیس گھر سامنے کی جانب چالیس گھر پشت کی طرف، چالیس گھر داہنی اور چالیس گھر بائیں جانب۔ ان حدود میں رہنے والے ہمسایہ ہیں۔

(نوٹ) ان احادیث کے سلسلہ میں یہاں جن کتابوں کے حوالے درج ہیں ان کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہر فرقہ کے علمائے کرام نے انھیں تحریر کیا ہے۔ ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر انصاف کے ساتھ ہم اس بات پر غور کریں کہ اسلام میں ہمارا مقام کیا ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کو ہم کس حد تک پورا کر رہے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٥

شہادتِ کبریٰ

حصّہ اوّل

از

حضرت علامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

سائز ۸/۲۰×۲۶ آفسٹ پر بہترین طباعت، اعلیٰ کاغذ
صفحات ۶۶۴

ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام سے کربلا پہنچنے تک کے واقعات اور حالات کا بہترین مجموعہ اس کے علاوہ جغرافیہ کربلا کا خصوصی رنگین نقشہ کتاب میں شامل ہے

جلد آرڈر دیجئے!

ملنے کا پتہ

سی ۹۶ بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

ٹیلیفون نمبر ۶۸۳۰۲۵

شہادتِ کبریٰ

حصّہ دوم

از

حضرت علاّمہ سیّد محمّد رضی مجتہد

سائز ۲۰×۲۶ آفسٹ پر بہترین طباعت اور
اعلیٰ کاغذ۔ زیر کتابت ہے

بعد شہادت امام حسینؑ رونما ہونے والے واقعات
اور انقلاب کی تفصیلی تصویر کشی جس سے آپکی معلومات میں
حیرت انگیز اضافہ ہوگا۔

ملنے کا پتہ

سی ۹۶۔ بلاک ۱۰ فیڈرل بی۔ ایریا کراچی
فون نمبر:۔ ۶۸۳۰۲۵

درسِ قرآن حکیم

حصّہ اوّل و حصّہ دوم

از

حضرت علّامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

ایکہزار صفحات پر مشتمل۔ چھپائی آفسٹ۔ کاغذ اعلٰے
ریڈیو پاکستان سے نشر شدہ تقریباً پونے تین سو درسوں کا مجموعہ
جسمیں فلسفہ و حکمت اور تفسیر و فقہ نیز تاریخ کی مفید
بحثیں شامل ہیں یہ دونوں حصّے علمی معلومات کا عظیم ذخیرہ ہیں۔

ملنے کا پتہ

سی ۹۶، بلاک نمبر ۱۰ فیڈرل بی ایریا
کراچی۔

فون نمبر:- ۶۸۳۰۲۵

خطبات

حصہ دوم، سوم، چہارم، پنجم

از

حضرت علامہ سید محمد رضی مجتہد

ریڈیو پاکستان سے نشر شدہ تقریروں کے مجموعات جن میں علامہ موصوف کی سیکڑوں تقریریں شامل ہیں۔ اسلامی معلومات کا انمول خزانہ۔ اعلیٰ کاغذ، آفسٹ پر دیدہ زیب طباعت۔

ملنے کا پتہ

سی ۹۶، بلاک ۱۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر:- ۶۸۳۰۲۵